جون 1986ء

الرشد

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

ماہنامہ

المرشد

چکوال
ضلع جہلم
(پاکستان)

جلد ۵
شمارہ ۸
جون ۱۹۸۴ء
رمضان المبارک
۱۴۰۴ھ

دینی، اصلاحی، علمی، تصوّف و سلوک کا واحد مجلّہ

:- بیاد :-
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

مدیر مسئول
حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے (عربی۔ اسلامیات)

مجلس ادارت اعزازی
۱۔ پروفیسر بنیاد حسین نقوی۔ بی۔ اے (آنرز) ایم۔ اے
۲۔ پروفیسر باغ حسین کمال۔ ایم۔ اے

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ۔ گنپت روڈ۔ لاہور

:- بدل اشتراک :-
سالانہ چندہ ۳۵/- روپے ششماہی ۱۸/- روپے
فی پرچہ ۳/- روپے، بیرونی ممالک کیلئے سالانہ چندہ ۱۰۰/- روپے

برائے رابطہ
دارالعرفان منارہ ضلع جہلم

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاح شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا

فہرست مضامین

۱:- اداریہ	مدیر	۳
۲:- اسرار التنزیل	حضرت مولانا محمد اکرم مناروی مدظلہٗ	۷
۳:- چراغِ مصطفوی	پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے	۲۴
۴:- باتیں ان کی خوشبو خوشبو	ارشادات شیخ مکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۳۱
۵:- فلسفہ اور برکاتِ رمضان	حضرت مولانا محمد اکرم مناروی مدظلہٗ	۳۵
۶:- تربیت السالکین	" " " " "	۴۰
۷:- دیکھتا چلا گیا	سیلانی کے قلم سے	۴۳
۸:- فیضِ شیخ	مولانا بشیر احمد ایم۔ اے	۴۷
۹:- تعلیمی بحران اور طبقاتی منافرت کی ذمہ داری محکمہ تعلیم اور انگلش میڈیم سکولوں پر ہے۔	اُمّ طاہر	۵۰

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصدِ اولین تزکیۂ نفوسِ انسانی ہے۔ انسان انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی ہر زمانہ میں اس کی احتیاج و طلب رکھتے ہیں کہ ان کا تزکیہ ہو جائے۔ تزکیہ کیا ہے؟ انسان کا جوہرِ انسانیت سے آشنا ہونا اور معرفتِ باری تعالیٰ کے فیضان سے اس کی روح کا سرشار ہو جانا۔ قد افلح من تزکیٰ بے شبہ کامیاب و کامران وہی ہوا جس نے تزکیہ کر لیا۔

سالکینِ راہِ سلوک و معرفت کے پیشِ نظر ہمیشہ سے یہ حقیقت رہی ہے کہ وہ زندگی کے ہر ہر لمحہ میں اور ان مستعار سانسوں میں یہ خیال رکھیں کہ کوئی لمحہ اس مقصد سے غفلت میں تو نہیں جا رہا۔ اُن کے شب و روز اسی دھن میں گزرتے ہیں اور ان کے نزدیک وقت وہی وقت ہے جو اس دھیان میں صرف ہو:

شب وہی شب ہے، دن وہی دن ہیں جو تری یاد میں گزر جائیں

سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کام کاج میں مصروفیت کے اوقات میں اور لمحاتِ فرصت میں، خوشی ہو یا غم ان کے دل میں سودا اور ان کے دماغ میں یہی لگن رہتی ہے کہ زبان یادِ الٰہی سے تر رہے اور دل اس کے فیضانِ درد و محبت سے خالی نہ رہے۔ ان کے وارداتِ قلبی کی ایک ادنیٰ سی جھلک کچھ یوں نظر آتی ہے:

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لئے جاتا ہے ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

غفلت ان کے نزدیک دُوری اور بے شعوری کی علامت ہے۔ اور یوں بھی یہ "ذکر" کی ضد ہے، ذکرِ دوام اسی غفلت کا علاج ہے اور اس دُوری کو "حضوری" اور فیضانِ شعورِ حقیقی سے آشنا کرنے سے عبارت ہے۔

یہ زندگی مستعار کہ لمحہ لمحہ ہمارے شعور و عمل کی گرفت سے آزاد ہوتی جا رہی ہے۔ یہ اوقاتِ عزیز اسی تیز روی اور خاموشی سے اپنا سفر طے کر رہے ہیں کہ اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے

اور کیسے ؟

صوفیۂ کرام اس رمز کے آشنا اور اس بحر کے شناور ہیں۔ انہوں نے شریعتِ مطہرہ کے حقیقی اتباع اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی اور قلبی تعلق و ربط کے فیضان سے یہ حقیقت پالی ہے کہ زندگی کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے، اس کی غایت اور مقصد کیا ہے۔ یہ اگر ایک سفر سے مشابہت رکھتی ہے تو پھر اس کی منزلِ مقصود کہاں ہے! ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کہاں جانا ہے، راستہ کیسا ہے، اس کی دشواریاں کیا ہیں اور انہیں آسان کرنے اور اسے طے کرنے کا طریقہ کیا ہے ——— وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اس کا طریقہ کیا ہے بلکہ ان کے پیشِ نظر یہ حقیقت بھی رہا کرتی ہے کہ اس کا "سلیقہ" کیا ہے۔ سلیقے سے کام کرنے کا شعور ہی حقیقت میں تزکیہ واحسان یا سلوک و معرفت کی راہ میں پہلا قدم ہے۔ یعنی کام اس انداز سے کیا جائے جو اس کے لئے اللہ تبارک و تعالےٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیا ہے، اس کے آداب سکھا دئے ہیں۔ انہی آداب و قواعد کی پابندی کرتے ہوئے خلوصِ دل کے ساتھ اپنی تمام تر توانائیوں اور استعدادوں کو اس میں صرف کر دیا جائے:

ہر چہ داری صرف کن در راہِ او۔

اللہ کریم کا بنایا ہوا یہ نظام کائنات اس کی قدرتِ کاملہ کے فیضان کا مظہر ہے۔ اسکی معرفت کے عرفان کیلئے رہنما اور انسان کے شعور و وجدان کو تلاشِ حقیقت کیلئے نہ صرف ابھارتا ہے بلکہ وہ ذرا اسکی گہرائیوں میں جھانکے تو اسے اپنے قلب و ضمیر کی آواز یہاں بھی سنائی دیتی ہے۔ اور انفس و آفاق یعنی کائناتِ ظاہری اور کائناتِ روحِ انسانی دونوں سطحوں پر حق و حقیقت کے یقین و معرفت کی دولتِ جاوید نظر آتی ہے۔ اس مشاہدہ و یقین کا کیا کہنا کہ قلب و نظر کے تجربات و احساسات میں ہمرنگی و ہم آہنگی پیدا ہو چلی ہے اور قلب و قالب کے لطائف ایک ہی معرفت کے انوار فیضان و رحمت سے رنگین و منور نظر آتے ہیں:

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔

جس طرح اس کائناتِ رنگ و بو میں بظاہر اختلاف اور رنگا رنگی و بوقلمونی ہے اور بباطن ایک وحدت و یکرنگی اور فیضانِ قدرت کی ہمہ گیری اور حکمرانی ہے جو اس کے ظاہری بوقلمونی و معنوی یکرنگی کے تناسب و توازن سے اس کے حسن و جمال اور رعنائی و کشش کی امین ہے اسی طرح کائناتِ معنوی میں بھی جمالِ قدرت کے فیضان کی رنگارنگی کے ساتھ ہی یکرنگی بلکہ بے رنگی و بے کیفی کے جلوے رقصاں نظر آتے ہیں۔

انسان اپنے ظاہر کی زیبائش و آرائش کے فنون سے آشنا بھی ہے اور اس میں کوشاں بھی، وہ اس کائنات کے حسنِ ظاہر میں اضافہ کرنے کا متمنی بھی ہے اور مدعی بھی ہر چند کہ اسے بگاڑنے کا بھی "شرف" اسے ہی حاصل ہے۔

مگر آدمیوں کے اس ہجوم میں کہیں کہیں کچھ ایسے انسان بھی نظر آتے ہیں جن کا مطمحِ نظر کائناتِ معنوی کی تزئین و آرائش، قلب و نظر کی پاکیزگی اور طہارتِ فکر و نظر کا حصول ہے۔ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ کائناتِ ظاہرہ اس وقت تک امن و سکون سے آشنا نہیں ہو سکتی جب تک کائناتِ معنوی میں اس دولت کا فیضان نہ ہوگا۔ جسے معرفتِ باری تعالیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تعلق باللہ کے نہ ہونے سے، ٹوٹ جانے سے یا کمزور پڑ جانے سے انسان بگڑ جائے گا، بدل جائے گا اور اس کی حقیقت کے یوں بدل جانے سے دنیا میں فساد برپا ہو جائیگا اور اس کی شامتِ اعمال سے دنیا کا سکون غارت ہو جائے گا۔

کائناتِ قلب و روح کی تزئین و آرائش، تزکیہ و نکھار اور تعمیر و تکمیل کی فصلِ بہار آیا چاہتی ہے۔ یہ رُوح کی بالیدگی کا موسم ہے، غنچہ ہائے امید کے کھلنے کی فصل ہے اور روضۂ جاوید سے پھول چننے کا وقت ہے یہ اللہ کی رحمتِ خصوصی کے نزول کی وہ ساعتیں ہیں جنہیں رمضان المبارک سے تعبیر کیا جاتا ہے ــــ نزولِ قرآن مجید اور فرضیتِ صیام سے اسے خصوصی مناسبت و ربط ہے۔ تزکیۂ روحانی کی اساس اور طریقہ اسی سے مستنبط ہے۔ قرآن مجید هدی للناس وبینات من الهدیٰ و الفرقان ہے اور فرضیتِ صیام کی غایتِ مقصود لعلکم تتقون ہے۔

اپنے شب و روز کو اس ماہِ مبارک کے انوار و فیضان سے منور کیجئے، قلب و روح کی پاکیزگی کا سامان فراہم کیجئے، گذشتہ سال بھر کی کمی پوری کر لیجئے، سالِ آئندہ کیلئے نئی قوت اور نئی روشنی حاصل کر لیجئے۔ راتیں ذکر و فکر، نوافل و مراقبات اور تلاوتِ کلامِ مجید سے زندہ کیجئے، آہِ سحر کا لطف اٹھائیے اور خلوتِ شبہائے راز کی وجد آفریں کیفیات سے روح کی بالیدگی اور دن کی مشقت و تعب کا ثمرہ وصول کیجئے۔

دن بھر اسی محبت کے آداب کی پابندی کیجئے اور شبِ راز کی خلوتوں سے لطف اندوز ہونے کے منتظر رہیئے۔ عشرہ اول میں اپنے دامن سے ساری گرد جھاڑ لیجئے، خوب صاف کیجئے، اشکِ ندامت سے اسے دھو ڈالیئے، کوئی دھبہ نہ رہنے دیجئے، محبتِ غیر کی آلائشوں سے اپنے دامنِ تر کو اسطرح نچوڑ دیں کہ وہ لطف پیدا ہو جائے کہ فرشتوں کو بھی اسی سچی توبہ کے بعد حاصل شدہ نسبتِ طہارت پر رشک آنے لگے:

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

دوسرے عشرہ میں اس راز و نیاز کی لذت کو دوبالا کیجئے۔ معرفتِ باری تعالیٰ کی نسیمِ جانفزا کے جھونکوں سے قلب و روح کی فضا کو شاداب کیجئے۔ امیدوں کی کشتِ ویراں کو سیراب کیجئے۔ ان

رحمت بھری ساعتوں کی برکات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیجئے۔ تنگ دامانی سے نہ گھبرائیں وسعتِ دامن کا بھی سوال کر دیجئے۔ معاملہ اس کریم سے ہے جس کے ہاں عطا ہی عطا ہے۔ کسی کو خالی نہیں لوٹایا جاتا۔ اس رحمتِ بے پایاں پہ ناز کیجئے اور اس عفو و درگزر پہ جبینِ عقیدت اس آستاں پر رکھ دیجئے اور پھر نہ اٹھائیے:

شکرِ نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو۔

عشرہ سوم میں رحمتِ باری کی سند حاصل کیجئے۔ شب و روز ہمہ تن اسی کی محبت میں کھو جائیے محبت کی کچھ پابندیاں اور بڑھا دیجئے۔ اس کے دروازے پہ معتکف ہو جائیے۔ دن رات ایک کر دیجئے اور اپنے دامن اس دولتِ جاوید اور اس نعمتِ لازوال سے بھر لیجئے۔ مناجات بھی کیجئے اور نعمتِ دیدار بھی پائیے۔ آیاتِ ربانی کا مشاہدہ کیجئے۔ اب یقین والقان کی آنکھ سے دیکھ لیجئے کہ محبت کے لمحات کی قدر و قیمت کیا ہے۔ یہاں لمحے صدیوں پر محیط ہیں۔ مسافتیں کٹ گئیں، صعوبتیں چھٹ گئیں، دُوریاں دُور ہوئیں زمانہ سمٹ گیا، ایک رات ہزار مہینوں پر بھاری ہو گئی۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر —— یہ قدر کی رات ہے۔ اس کی قدر کیجئے۔ اے خوش نصیب معتکفین! اے عشاقِ با تمکین! اسے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیجئے۔ ساعتِ وصل کا انتظار و جستجو بھی کتنا لذت آگیں اور سکون پرور ہے۔ ذرا دیکھئے تو جناب روح الامین علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسّلام حضراتِ ملائکہ کے جلو میں اس خاکدانِ ارضی کی فضا میں نزولِ اجلال فرماتے ہیں —— یہ رات بڑی رات ہے۔ اس میں سلامتی ہے، سکون ہے، سکینت واطمینان ہے، انوار و رحمت کی موسلا دھار بارش ہے۔ انعامات وصول کیجئے۔ اللہ اللہ! زہے قسمت:

یہ نصیب اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے۔

مطلعِ فجر تک یہی رنگ، یہی انداز، یہی محفل، یہی کیف محیط ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اسرار التنزیل

موانعاتِ کفر

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم اٰیاتُ اللّٰہ وفیکم رسولہٗ ط ومن یعتصم باللّٰہ
فقد ھدی الیٰ صراطٍ مستقیم ٥

....

خداوند عالم نے دو اختیار اپنی طرف سے انسان کو بخشے ہیں۔

اول زندہ رہنے کا حق اور دوسرا مذہب یا عقیدہ اختیار کرنے کا۔

زندگی وہ خود عطا فرماتا ہے اور اسے واپس لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ وہ ادارے یا افراد جو اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں اللہ کے حکم کے مطابق وہ کسی کو سزائے موت دیں تو درست ورنہ انسانی

قتل اتنا عظیم جرم ہے کہ ارشاد ہوتا ہے :۔ فکانما قتل الناس جمیعًا (المائدہ)، گویا اس نے تمام انسانی نسل کو قتل کر دیا۔ یعنی فرد کے قتلِ ناحق کا جرم نوع کے قتلِ ناحق کے برابر ہے۔ ہاں کوئی شرعًا واجب القتل ہو تو اور صورت ہوگی بلکہ اس کی مدد یا سفارش بھی حرام ہے۔ خیر دوسرا ارشاد یہ ہے لا اکراہَ فِی الدین (البقرہ) یعنی مذہب اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ زبردستی

کرنا جائز ہی ہے۔ ورنہ تو امورِ تکوینی میں سب انسان بھی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔ جیسے اجرامِ سماوی چاند ستارے اور سورج یا زمین کی مخلوق سبزے سے لے کر درختوں تک اور ذرات سے پہاڑ تک ہر شئے ہمہ وقت اطاعت پر کمربستہ ہے۔ حتیٰ کہ ارشاد ہے **لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللّٰہ**۔ کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا۔ سو انسان بھی باقی مخلوق کے ساتھ پیدا ہونے، مرنے، صحت و بیماری امارت و غربت غرض ہر طرح کے امور تکوینیہ میں مکمل اطاعت کرتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک خاص استعداد سے نوازا گیا یعنی حصولِ معرفت کی استعداد سے۔ سو اسے عبادت کرنے میں اختیار عطا کر دیا۔ کہ عبادت اور اطاعت میں ایک لطیف فرق ہے۔ ہر عبادت اطاعت ہوتی ہے مگر ہر اطاعت عبادت نہیں۔ کہ عبادت کیلئے معرفت شرط ہے۔ کسی کی عظمت سے آشنا ہو کر اپنے امور اس سے متعلق کر دینا عبادت ہے یعنی اپنے نفع کو حاصل کرنے کے لئے بھی اور دفعِ شر کیلئے بھی کسی چوکھٹ پہ جھک جانا عبادت ہے۔ اس معنی سے جس ہستی کی اطاعت کی جائے گی اسی کی عبادت قرار پالے گی۔ ورنہ تو اطاعت حکومت کی یا حاکم کی بھی کی جاتی بعض اوقات زبردست زیردست سے بات منوالیتا ہے۔ مگر یہ جملہ امور عبادت نہیں،

اطاعت کہے جا سکتے ہیں۔ ایسے ہی امورِ تکوینیہ اور قضا و قدر کے پنجے میں جکڑی ہوئی مخلوق خواہ وہ زمینی ہے یا آسمان سے متعلق ہے ہر آن اطاعت پر لگی ہوئی ہے۔ یہ سب حکم کی اطاعت ہے۔ انسان کا پیدا ہونا یا مرنا وغیرہ بھی اسی قبیل کے متعلق ہیں۔ مگر جو شعور اللہ نے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا بخشا ہے اس کے ذریعے اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی معرفت کو پالے اور پھر اس کا دل اسکا ضمیر یہ فیصلہ صادر کرے کہ مجھے اس عظیم بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے تو اس کا ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت کے لئے کرے گا۔ عبادت قرار پالے گا ورنہ سجدے میں محض ضابطے کی کاروائی شمار ہوں گے۔ یہ چونکہ ضمیر اور دل کا فیصلہ تھا اس لئے مسلط نہیں کیا گیا، نہ اللہ نے خود مسلط فرمایا ہے اور نہ کسی دوسرے کو مسلط کرنے کی اجازت بخشی ہے۔ سو صاحبِ ہمت جو تھے وہ کامیاب رہے اور اپنی پیشانیوں کو صرف اور صرف اللہ کی ذات کے لئے جھکایا۔ اور کم ہمت لوگ خواہشاتِ نفس کی چوکھٹ پہ گر گئے یوں اللہ کی بارگاہ سے محروم رہے۔ خواہشات کی تکمیل کے لئے کسی نے بتوں کا سہارا چاہا تو کسی نے انسانوں کو معبود بنا لیا۔ کوئی ایسے بھی تھے جو ہر اس شئے کے سامنے جھک گئے جو ان کے فہم کے مطابق بڑی یا عجیب تھی۔ اب اس اختیار

کی وجہ سے کافر بھی مومنین کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اس کی عزت، اس کا مال اور اس کی جان مسلمان کے لئے نہ صرف حرام ہے بلکہ حکومتِ اسلامی پر ان کی حفاظت فرض ہے جس کے لئے وہ صرف جزیہ ادا کرے گا۔ اسے اپنے معبد بنانے یا اپنے طریقے سے عبادت کرنے یا اپنے عقیدے کے مطابق بیاہ شادی، کاروبار یا میّت کی رسوم ادا کرنے کا پورا حق دیا جائے گا۔ وہ ملک کا ایک شریف شہری ہوگا لیکن حدود کے اندر۔ اس کی آزادی کی ایک حد ہے۔ جس طرح مسلمان اس کے مذہب، مذہبی اصطلاحات یا عبادت خانوں وغیرہ میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ اس طرح کافر کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد یا اصطلاحات میں دخل اندازی کرے۔ اگر ایسا ہوا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ جو جرم کی نوعیت کے مطابق بعض حالات میں قتل اور بعض میں ملک بدر ہونے تک بھی دی گئی ہیں۔ اور دی جا سکتی ہیں۔ یہود پر عہد نبوی صلعم میں اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں ان کے فساد کی وجہ سے دونوں طرح کی سزائیں عملاً نافذ ہوئی تھیں۔

اب اس سارے اہتمام کے بعد مومن کو بھی متنبہ کیا گیا ہے جو اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۰۰ یعنی اس سے ماقبل کی آیت میں مذکور ہے

اور وہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اگرچہ معاملات کا تعلق درست ہے مگر نوبت موالاۃ تک نہ آئے۔ یعنی ان سے دوستی اور محبت درست نہیں۔ کہ مومن ان کی دوستی سے کبھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اور کفر کی دلدل میں گرنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کافر کی بات اگر مومن اس انداز سے سننے لگے کہ یہ بھی میرا دوست ہے اور میرا بھلا چاہے گا تو جس نے خود اپنی امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کر رکھی ہیں وہ یقیناً اللہ کی عظمت سے نو نا آشنا ہے ہی غیر اللہ کے کمالات کا معترف بھی ہوگا۔ اور یہی کافرانہ خیالات اس مسلمان تک بھی پہنچائے گا جو اس کی دوستی میں پھنس گیا۔ کہ ہمیشہ دوست کی بات متأثر کرتی ہے۔ یہی طریقۂ تبلیغ بھی ہے جب تک مخاطب آپ کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ نہیں سمجھے گا کبھی آپ کی تبلیغ سے متأثر نہیں ہوگا۔ ہمارے مبلغین حضرات کو بھی چاہیئے کہ مقابلے کی راہ چھوڑ کر نسلِ انسانی کی ہمدردی میں ان تک اللہ کی بات پہنچائیں۔ سو ارشاد ہوتا ہے کہ تم بھلا کیسے کافر ہو سکتے ہو یعنی تم ہرگز کافر نہیں ہو سکتے۔ کہ تمہارے کفر سے بچنے اور محفوظ رہنے کے بہت بڑے ذرائع ہیں جنہیں اس مضمون میں موانعات کفر کہا گیا ہے۔

اول یہ کہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ تم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ یہ دو اس قدر عظیم امور ہیں کہ اللہ کی بات چھوڑ کر کافر کی بات اور رسولؐ کی محبت کو چھوڑ کر کافر کی محبت حاصل کرنا ناممکن نہیں تو امرِ محال ضرور ہے۔ سو انہیں دو باتوں پہ آئندہ چند سطور میں گزارشات پیش ہیں۔

سب سے پہلے تلاوتِ آیات:-

آیاتِ الٰہی کو براہِ راست ذاتِ باری سے کسی نے نہیں پایا۔ بلکہ یہ صرف اور صرف آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کے قلبِ اطہر پہ نازل ہوئیں اور انہوں نے ان کو لوگوں تک پہنچایا۔ بعثت سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے تک آپؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ سب اللہ کی آیات تھیں۔ ان میں صرف اور صرف ایک فرق ہے کہ ایک وحی متلو ہے یعنی قرآن اور دوسری وحی غیر متلو یعنی حدیث پاک۔ آیات اللہ ہونے میں حدیث کا درجہ بھی کم نہیں۔ فرق یہ ہے کہ قرآن میں الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں اور حدیث میں بات اللہ کی اور الفاظ حضور اکرمؐ کے ہیں۔

اب رہی بات نزولِ قرآن کے بعد کی۔

یعنی نازل تو صرف آپؐ پہ ہوا براہِ راست ذاتِ باری تعالٰی سے وصول کرنا یہ صرف نبیؐ کا منصب تھا لیکن کیا نزول کے بعد جب اللہ کے رسولؐ نے عام لوگوں تک پہنچا دیا تو پھر ہر شخص اس کے معانی اور مطالب کو پا سکتا ہے؟ یہ بہت اہم بات ہے۔ یاد رکھیں مفاہیم کو پانے کیلئے تعلیماتِ نبوی ضروری ہیں۔ ان کے بغیر کوئی بھی شخص محض لغت یا عربی زبان پہ مہارت کی وجہ سے اس کے معانی معین نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے **لتبین للناس ما نزل الیھم**۔ آپ لوگوں پر بیان فرمائیں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا ہے۔ گویا تبیین فرائضِ نبوت میں سے ہے اور آپؐ کے سوا اپنی رائے اور پسند یا کسی لغت وغیرہ کی مدد سے قرآن کے معانی متعین کرنا ہرگز درست نہیں اور نہ ہی ایسا کرنا ممکن ہے۔

آپؐ نے جو مطالب و معانی ارشاد فرمائے وہی حدیث کہلاتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے قرآن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وصول کیا اور خلقِ خدا تک پہنچانے کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ وہی حضرات حدیث پاک کے پہنچانے والے ہیں۔ نہ صرف پہنچانے والے بلکہ سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے بھی ہیں۔ جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے اہل سنت کے ہاں اصول ہے کہ:-

الصحابۃ کلھم عدول۔

کہ صحابہ سارے کے سارے عادل ہیں۔

اور یہ محض حسنِ عقیدت کا کرشمہ نہیں ہے۔
بلکہ اللہ کے رسول ؐ نے حقِ تبیین ادا فرماتے ہوئے
یہ صرف زبانی تفسیر بیان فرمائی بلکہ عملاً ایک
معاشرہ، ایک ملک اور ایک حکومت تشکیل
دی جس کا ہر فرد اپنے حسنِ عمل سے فرقانِ
حمید کی تفسیر اور ارشادات رسول ؐ
کا امین تھا۔

یہاں ذرا درجہ صحابیت کی عظمت کا
اندازہ کرنے کی کوشش کریں۔ اور وہ اس
طرح کہ مجرد ایمان لانا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے
بہت بڑی عبادت اور بہت بڑی نیکی ہے۔
کہ کوئی شخص اپنی طویل ترین عمر بھی کفر و شرک
میں ضائع کر چکا ہو۔ معاصی کے پہاڑ اس
کی گردن پر لدے ہوں۔ جوانی کی مست خرامیوں
کا بوجھ کمر توڑ رہا ہو۔ غیر اللہ کے سجدے طوقِ
ملامت کی طرح منہ چڑا رہے ہوں تو ایک بار صدقِ
دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کہہ دے تو اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے
آج دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ سب کچھ دھل
دھلا کر دل روشن اور سینہ منور ہو جائے گا
اور اسی آن وہ شخص اللہ کی ولایت کو پالے گا
کہ ولایت عامہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے
کہ ارشاد ہے اللہ ولی الذین امنوا
اب اگر کسی نے عہد کو کما حقہٗ نبھایا اور مرضیاتِ
باری پر اپنی منشا قربان کر دی تو اسے ولایتِ
خاصہ نصیب ہوتی ہے۔
عقائد اور اعمال میں جتنا کمالِ اطاعت
حاصل کر سکے گا اتنی بلندی درجاتِ ولایت
میں نصیب ہو گی۔

یہاں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ تارکِ شریعت
کبھی ولی اللہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا گمان جہالت ہے
اور گمراہی کا باعث۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ولی
وہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے۔ یعنی
مخلوق کو خالق سے ملانے والا ہو گا نہ یہ کہ
خود ہی کٹا ہوا پتنگ ہو۔

تاریخ پر نگاہ کرنے سے یہ امر بخوبی
واضح ہو جاتا ہے کہ دینِ اسلام ہمیشہ اور ہر جگہ
اولیاء اللہ کی برکات سے پھیلا۔ اور پھیلتا
رہے گا۔ انشاء اللہ۔ سلاطین و امراء اگر
دین کی سربلندی کا باعث بنے تو صرف وہ
جو نہ صرف بادشاہ تھے بلکہ ولایت خاصہ سے
بھی سرفراز تھے۔ ورنہ اکثر و بیشتر تو کج روی
پھیلانے کے ذمہ دار نظر آتے ہیں۔ اور پھر
جابر و قاہر لوگوں کو بھی درد آشنا صرف اہل اللہ
کی نظر نے کیا۔ ورنہ شاہی تلواریں گلے تو کاٹ
سکتی تھیں، دل پھیرنا ان کے بس کا روگ
نہیں تھا۔ خود اسی ملک میں دیکھا جائے تو خاندانِ
ولی اللہی، خواجہ معین الدین اجمیری رح اور حضرت
علی ہجویری رح جیسی ہستیوں نے دلوں کو رونق بخشی۔

ذرا فتنۂ تاتار کا جائزہ لیں کہ بادشاہوں کی عیش کوشیاں کس طرح اسے دعوت دینے کا سبب بنیں اور علمائے سُو نے کس انداز سے مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کر کے لڑایا۔ نتیجۃً کتنی عظیم الشان سلطنتیں اس طوفان کی نذر ہوئیں۔ اور کس قدر خلقِ خدا خاک و خون میں تڑپی۔ پناہ بخدا اندازہ کرنا محال نظر آتا ہے۔

مگر ان وحشیوں کا وحشی سردار **ہلاکو خان** جب دربند پہ حملہ آور ہوا تو خواجہ محمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے فولادی دل کو بھی پگھلا کے رکھ دیا۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کی نگاہ میں کس درجے کی گرمی تھی غرض ہلاکو مسلمان ہوا اور پھر وہ طوفان آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگا حتیٰ کہ خدا نے تاتاریوں کو بھی خدمتِ اسلام کا شرف بخشا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی!
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی

یہی اہل اللہ کی عظمت کی ایک جھلک ہے ورنہ ایسے واقعات کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں۔ اگر رُوئے زمین پر بسنے والے سارے لوگ ولایت کے آخری مقام کو پالیں اور ہم ان سب کی ولایت کو جمع کر کے ایک مینار بنا سکیں تو جہاں اس کی بلندی ختم ہو گی وہاں سے تبع تابعین کی عظمت شروع ہو گی اس کی انتہا سے تابعین کے درجات کی ابتدا ہو گی اور جہاں ان کے مراتب ختم ہوں گے وہاں سے صحابیت کی ابتدا ہو گی۔

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

یہ لوگ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن وحدیث کو سُن کر خلقِ خدا تک پہنچانے والے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے ان کی اطاعت کا حکم دیا۔ اور اللہ کریم نے ان کے ایمان کو معیاری قرار دیا۔ نیز ان کے عمل کو نہ صرف سند بلکہ کسوٹی قرار دیا۔ ایمان کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ **فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا**۔ یعنی اگر کسی کا ایمان صحابہ کے ایمان کی مثل ہے تو وہ شخص ہدایت پا گیا ورنہ گمراہی میں پڑ کر تباہ ہوا۔ کیونکہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے قلوب کا امتحان ہو چکا ہے۔ **اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ** اور نتیجہ کے طور پر اللہ نے انہیں ایمان کی محبت سے لبریز کر دیا ہے جبکہ کفر، فسق، نافرمانی سے ان کے دلوں کو متنفر کر دیا ہے۔ فرمایا **حبب الیکم الایمان وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان** سو اب قیامت تک ساری انسانیت اور نسلِ انسانی کا ہر فرد **سابقون الاولون مہاجرین والانصار** کی غلامی خلوصِ دل سے کرے کہ ان کی غلامی ان کی نہیں بلکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہے اور آپؐ کی غلامی ہی

اللہ کی عبادت بھی ہے، معرفت بھی ہے، قرب و رضا کے حصول کا باعث بھی اور انسان کا مقصدِ تخلیق بھی ہے۔ سب کچھ ارشاداتِ رسول ﷺ کا ہی کمال نہیں بلکہ اس میں صحبتِ نبوی ﷺ کو بڑا دخل ہے کہ فیوضاتِ نبوی ﷺ دو طرح سے ہیں۔ ایک تعلیماتِ نبوی اور دوسرے فیوضاتِ صحبتِ نبوی ﷺ۔ درجۂ صحابیت پر فائز ہونے کیلئے کسی کو ایمان کے ساتھ یعنی وہ ایمان لایا اور ایک نگاہ اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پڑی۔ یا پھر آپ کی نظرِ رحمت اس پر۔ بس ایک لمحے میں وہ درجۂ صحابیت کو پا گیا۔ ؎

من بسی پارہ دم می فروشم، بگفتا قیمتش گفتم نگاہے
بگفتا کمترش! گفتم کہ گاہے۔

یاد رہے کہ اس کیلئے اتحادِ عالم بھی ضروری ہے، اور شرط ہے۔ ورنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے تو کشفاً آپ ﷺ نے بھی ایک جہان پر نظرِ کرم فرمائی اور ایک عالم نے آپ ﷺ کی زیارت کا حظ اٹھایا۔ مگر ولایت نصیب ہوئی صحابیت کو نہ پا سکے۔ دراصل یہ دلوں کی تبدیلی نگاہِ کرم ہی کا کرشمہ تھا، ہے اور رہے گا۔ ورنہ قرآن تو ایک عالم کیلئے دعوتِ ہدایت ہے پھر مانعِ کفر صرف مومن کے لئے کیوں۔ اس لئے جو دل فیضِ صحبت سے کوئی ذرہ نہ پا سکے۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کو پانے کی استعداد ہی سے محروم رہتا ہے اور یہ فیضِ صحبت بھی ارشاداتِ عالیہ کے ساتھ ساتھ منتقل ہوتا رہا۔ اسی نے یعنی صحابہ کے فیضِ صحبت نے عظمتِ تابعیت تقسیم کی۔ ان کی محفل میں باریاب ہونے والے تبع تابعین بنے اور ان سے اخذِ برکات کرنے والے ولایتِ خاصہ سے نوازے گئے۔ پھر انہوں نے دلوں کو زندہ اور آنکھوں کو روشن کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جو تاحال قائم ہے اور انشاء اللہ جب تک رہے گا صرف تب تک سورج بھی چمکے گا۔ جب یہ چراغ بجھا تو قیامت برپا ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے حتیٰ لا یقال اللہ اللہ او کما قال ﷺ۔ یعنی کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ اسی لئے تمام سلاسلِ ولایت کے شجراتِ مبارکہ روایتِ حدیث کی طرز پر محفوظ ہیں اور یہی مقصد ہے پیری و مریدی سے کہ پیر کا دل دردآشنا بھی ہو اور اس درد کے بانٹنے والا بھی۔ ورنہ محض خانہ پری ہے۔

یہاں پہ پہنچ کر ایک بہت بڑا سوال بلکہ اعتراض کہنا زیادہ مناسب ہوگا، سامنے آتا ہے جو عموماً چودھویں صدی ہجری کے محققین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن تو محفوظ ہے اپنی تمام حرکات یعنی زیر زبر اور تمام نقاط کے ساتھ۔ بین الدفتین جو ہے یہی وہ قرآن ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا انہوں نے آگے پہنچایا۔ اس لئے خود قرآن میں اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ

مگر اس سے پہلے جو کتب سماوی نازل ہوئیں چونکہ ان کو یہ وعدہ نصیب نہ ہوا تھا، لہٰذا وہ محفوظ نہ رہ سکیں۔ تو حدیث بہرحال ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر اس میں بے شمار لوگوں نے آمیزش کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے حدیث کا محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ اس بات کو بنیاد بنا کر یار لوگوں نے الفاظِ قرآن کو اپنی پسند کے معانی پہناتے۔ پھر جو حدیث بھی ان سے متصادم ہوئی اسے بے دریغ جھٹلا دیا اور ایک بڑا معصوم سا فقرہ کہہ کر فارغ ہو گئے کہ معیار تو کتاب اللہ ہے اب جو بات اس سے متصادم ہے۔ ظاہر ہے وہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی ورنہ ہمارے لیئے تو حدیث آنکھوں کا نور اور دل کی ٹھنڈک ہے۔ نیز اسی آڑ میں دوسرا فائدہ یہ حاصل کیا کہ اپنے ایجاد کردہ معانی کی تائید میں اگر کوئی موضوع حدیث بھی ملی تو یہ کہہ کر قبول کر لی کہ اس کی تائید قرآن میں موجود ہے۔ بظاہر تو یہ اعتراض بہت وزنی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگروں کی نظر بندی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس سارے معمے کو حل کرنے کے لئے ہمیں چند امور پر بات کرنا ہوگی۔ اول تو یہ کہ کیا یہی حروف اور الفاظِ قرآن ہیں؟ یا قرآن وہ مفہوم ہے جس کو یہ حروف اور الفاظ اپنی

اسی ترکیب سے مل کر ظاہر کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ حروف والفاظ بمعہ اپنی ترکیب کے قرآن کے مظاہر تو یقیناً ہیں مگر قرآن وہ مفہوم ہے جو ان کے اندر ہے۔ ورنہ کسی ایک آیت کے الفاظ لے کر ان سے کوئی سا اور جملہ بنا دیا جائے تو یہ قرآن نہیں ہوگا۔ اور پھر یہی حروف تہجی ساری عربی زبان میں مستعمل ہیں۔ تو کیا وہ سب قرآن ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ مثلاً آیت ہے ذالك الكتاب لاريب فيه۔ اس میں ذ ا ل ک ت ا ب وغیرہ حروف استعمال ہوئے ہیں اگر ان سے کوئی اور جملہ ترتیب دیا جائے تو بے شک وہ با معنی ہو، قرآن نہیں ہوگا۔ اب جب یہ امر واضح ہوگیا کہ یہ الفاظ جس مفہوم کے امین ہیں وہ قرآن ہے تو جس طرح کوئی بھی غیر نبی الفاظِ قرآن براہِ راست حاصل نہیں کر سکتا بالکل اسی طرح اس مفہوم کو بھی بجز نبی کوئی نہیں پا سکتا۔ اسی لئے فرائضِ نبوت میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لتبين للناس ما نزل اليهم یعنی آپ لوگوں پر قرآن کا معنیٰ اور مفہوم بیان فرمائیں ورنہ لوگ از خود یہ استعداد نہیں رکھتے کہ اگر لوگوں میں از خود یہ قابلیت موجود ہو تو پھر نبی کو مامور کرنا تحصیل حاصل ٹھہرے گا۔ اب آئیے وعدۂ الٰہی کی طرف تو اگر یہ وعدہ اس تبیین اور تفہیم کو شامل نہیں جو حضور نے فرمائی اور الفاظ سے معنیٰ

اخذ کرنا کسی کے بس میں نہیں تو پھر گویا حفاظت الٰہیہ کی مثال ایسے ہوگی جیسے کوئی محافظ کسی کے جسم کی حفاظت کرتا ہے کہ عضو بدن نہ کاٹنے دے نہ زخم یا رچرکہ لگانے دے۔ مگر کوئی زہر پلاکر یا اس کا دم روک کر اسے ہلاک کر دے تو پرواہ نہ کرے کہ خیر ہے جسم سلامت ہے اور میں حفاظت کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے اس کو کوئی دانشور ہی حفاظت کہہ سکتا ہے۔ اگر یہی حفاظت مطلوب تھی تو عنداللہ علمِ الٰہی اور لوح محفوظ میں بھی بطریق احسن انجام پا رہی تھی۔ اور ہمیشہ باقی رہے گی پھر دنیا پہ حفاظت کا ذمہ لینا چہ معنی؟ رہی یہ بات کہ حدیث میں آمیزش کی بہت کوشش کی گئی ہے تو کیا کفر نے قرآن کو معاف کر رکھا ہے۔ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہلاکت خیز خلافِ اسلام تحریک تو اپنے روزِ اول سے آج تک پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ قرآن نہ محفوظ رہا ہے اور نہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہی ہے بلکہ جو کچھ موجود ہے کم و بیش اس سے دوگنا زیادہ ضائع ہو چکا ہے تو فرمائیے اس کا کیا جواب ہوگا؟ پھر یہ تو ایک سازش ہے آج تک غیر اسلامی قوتیں محرف شدہ نسخے بہترین چھپائی کے ساتھ دنیا پہ پھیلانے میں اپنا زور صرف کر رہی ہیں۔ مگر کوئی رائی برابر آمیزش نہ سکیں اور انشاءاللہ نہ کر سکیں گی۔

تو پھر تفہیم اور تبیین کیوں محفوظ نہ رہی۔ میرے بھائی! جس طرح حفاظت اللہ نے حدیث کی انجام دی ہے یہ بھی صرف وہی کر سکتا ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس نے ایسے ایسے مردانِ خدا کو اس کام پہ لگایا جن کی سوانح پڑھنے سے بھی صرف ان کی عظمت کا قائل ہوا جا سکتا ہے۔ تعیین مقامات امرِ محال ہے۔ علمائے حق نے زندگیاں صرف کر کے سترہ علوم صرف حفاظتِ حدیث کیلئے مدون فرمائے اور خصوصاً اسمائے رجال کا شعبہ کہ ہر راوی کے حالات، خاندان سلسلۂ نسب، عادات اور قابلیت سن اور سال کے ساتھ محفوظ کر دئے۔ جملہ احادیث کی درجہ بندی فرمائی۔ اور سچ اور جھوٹ کو اس طرح علیحدہ کر دیا جس طرح دن اور رات۔ یہ سب حفاظتِ الٰہیہ کی کرشمہ سازیاں تھیں ان کی تکمیل کیلئے اس ذاتِ کریم نے جسے چاہا سرفراز کیا۔ سو آج بھی قرآن پاک کے الفاظ کا مفہوم وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرمایا۔ باقی سب لوگوں کی ذاتی آراء تو ہو سکتی ہیں۔ قرآن کی تبیین نہیں۔ اور آپؐ کا فرمایا ہوا مفہوم ہی آیات اللہ سے مستفید ہونے کا سبب ہے اسی لئے یہ مومن کیلئے مانع کفر ہے۔

دوم۔ ارشاد ہے کہ **وفیکم رسولہ**۔ یہ دوسرا مانع ہے جو کفر کی گھاٹی

میں گرنے سے مومن کو بچاتا ہے جیساکہ پہلے عرض ہوچکا ہے یعنی فیضِ صحبت کا کوئی شمہ جب تک نصیب نہ ہو، ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اور جب تک یہ دل میں باقی نہ رہے ایمان باقی نہیں رہتا۔ بلکہ صوفیا رکا قول تو یہ ہے کہ جیسے الابریز میں سید عبدالعزیز دباغ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر ایمان لانے والے شخص کے دل تک نور کی ایک باریک "تار" جڑی ہوئی ہے جس کا مرکز قلبِ نبوی ہے اور جس قدر کسی کا ایمان مضبوط ہے اسی قدر وہ "تار" موٹی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دلوں تک نہروں اور دریاؤں کی صورت میں پہنچ رہی ہے۔ سو اسی نسبت سے اطاعت اور اطاعت میں خشوع و خضوع بھی نصیب ہوتا ہے اور جوں جوں اطاعت میں کمی واقع ہو اسی قدر یہ رشتہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور بعض انتہائی صورتوں میں منقطع ہو جاتا ہے۔ جس کے دل کی تار کٹ جائے وہ اسلام پہ باقی نہیں رہتا۔ مرتد ہوکر مرتا ہے۔

آجکل چونکہ عدم اطاعت بہت زیادہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں یہ "تار" کٹ جاتے ہیں اور جس کا رشتہ ٹوٹ جائے وہ ایک نیا عقیدہ گھڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اصلی اور وڈا اسلام یہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس عالمِ آب و گِل میں موجود تھے تب تک تو بات درست تھی اور وہ بھی صرف ان لوگوں کیلئے جو قرآن کے مفاہیم صاحبِ قرآن سے حاصل کرنا ہی دین سمجھتے تھے۔ جو خود کاریگر ہیں وہ تو اس دور میں بھی اس کمال کو مان کر نہیں رہتے آج کیا مانیں گے۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور آپ دارِ بقا تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کا غسل کفن ہوا۔ لوگوں نے جنازہ پڑھا اور ام المومنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک میں دفن کر دیا جس پر آج بھی سبز گنبد مظہرِ رحمتِ باری ہے۔ اور دن رات کے ہر لمحے میں جس پہ درود اور صلوٰۃ سلام کی بارش برس رہی ہے۔ اب یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہے۔ سو اس کے لئے ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ موت کیا ہے اور اس کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں۔ نیز کیا ہر متنفس کی موت یکساں ہوتی ہے ؟ اگر نہیں تو فرق کیا ہے ؟

سو عرض ہے کہ موت اور حیات دونوں مخلوق ہیں۔ ارشاد ہے **خلق الموت والحیات**۔ موت اور حیات کو پیدا فرمایا۔ سو یہ شئے وجودی ہے عدمی نہیں ہے۔ حیات کا اثر حرکت ہے۔ آدمی کھاتا پیتا، بولتا چالتا یا دیکھتا بھالتا ہے کم از کم سانس کی آمد شد ہو ایسی صورت میں ہم کہتے ہیں زندہ ہے۔ زندگی میں

انسان کسبِ اعمال کرتا ہے کہ دنیا دارِ عمل ہے۔ جب زندگی کا دَور پورا ہوتا ہے تو موت وارد ہوتی ہے جملہ حرکات ختم ہوجاتی ہیں۔ انسان دارِ دنیا سے چلا جاتا ہے اور ایک انتظار گاہ کہہ لیجئے جسے قرآن نے برزخ کا نام دیا ہے میں اس وقت کا انتظار کرتا ہے جب قیامت قائم ہوگی اور اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ برزخ میں جس درجے کا انسان ہو اسی کے مطابق اس کی رہائش کا اہتمام ہوتا ہے۔ نجات پانے والے لوگوں کو نعمائے جنت پہنچتی ہیں اور ان کا برزخی ٹھکانہ بھی ایک طرح کی جنت، یعنی برزخی جنت ہوتی ہے اسی طرح دوزخیوں کے لئے برزخی دوزخ بھی ہے جس کا رابطہ جہنم سے ہوتا ہے اور ہر ایک کو اپنی نوعیتِ جُرم کے مطابق عذاب پہنچتا رہتا ہے۔ یہ صورت قیامِ قیامت تک رہے گی۔

اس کو اسی انداز میں کتاب اللہ اور اور اللہ کے نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کتاب اللہ میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کافر اور مومن کی موت اپنے اپنے انداز میں واقع ہوتی ہے۔ کافر کی کیفیت ارشاد فرمائی لو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت کہ اگر تم ظالموں کو موت کی سختیوں میں دیکھو کہ کس قدر گرفتارِ بلا ہوتے ہیں حتیٰ کہ ارشاد ہے یضربون وجوھھم وادبارھم یعنی فرشتے ان کے منہ پر اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ یہ فرشتے دوزخ سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دوزخ کی زنجیریں اور دوزخ ہی کا لباس ہوتا ہے۔ جس میں اس روح کو لے کر جاتے ہیں۔ اور پھر آسمان سے نیچے رک کر اس کیلئے حکم حاصل کرتے ہیں کہ ارشاد ہے لا تفتح لھم ابواب السماء ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ سو وہاں سے اسے برزخی دوزخ میں جس کا نام سجین ارشاد ہوا ہے پھینک دیتے ہیں، جہاں روح براہِ راست عذاب جھیلتی ہے اور بدن اس کی وساطت سے خواہ کسی شکل میں بھی تبدیل ہوجائے، جل جائے، گل سڑ جائے یا جانوروں کی غذا بن جائے۔ بدن کے ذرات کا رشتہ روح سے منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک طرح کا تعلق رہتا ہے جس کی وساطت سے ہر ذرۂ جسم کو عذاب پہنچتا رہتا ہے۔ یہاں جو پخ لگائی گئی ہے کہ مرنے کے بعد اصل جسم سے روح کا تعلق نہیں رہتا۔ بلکہ اسے جسمِ مثالی مل جاتا ہے اور وہی مثالی جسم عذاب و ثواب پاتا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ محض دانشورانہ نکتہ ہے۔ کہ کسب اعمال جسمِ عنصری کرتا ہے۔ وہی جزا سے اعمال کا حقدار بھی ہے اگر کفر و شرک یا ظلم و جور اس نے کیا اور سزا کسی دوسرے جسم کو دی گئی تو کیا یہ انصاف ہے؟

پھر قانون ہے کہ اللہ تعالےٰ اس وقت تک کسی کو عذاب میں نہیں پکڑتے جب تک اس کی طرف رسول مبعوث نہ کریں۔ حتیٰ نبعث رسولا انسانوں کی طرف تو روزِ اول سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جب بھی اور جہاں بھی ضرورت محسوس ہوئی نبی یا رسول مبعوث کر دیا گیا۔ اور آپؐ کے بعد اگر نبوت کا باب بند ہوا تو تعلیمات کو ہمیشہ باقی رکھنے کا ذمہ لے لیا۔ چنانچہ نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہی۔ مگر اس مثالی جسم غریب نے کب دارِ تکلیف میں قدم رکھا۔ کون اس کی طرف نبی مبعوث ہوا اور کس جرم کی سزا اس نے پائی۔ بس ویسے ہی غریب کو پیدا فرما کر پیٹنا شروع کر دیا۔ کیا یہ نمرود کی خدائی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ بعد از وفات روح اسی لباس میں نظر آتا ہے جس میں دنیا میں انسان رہتا تھا۔ تو صوفیاءؒ نے اسی کو یعنی روح کو ہی جسم مثالی کہہ دیا۔ ورنہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ رہی وجودِ انسانی کی بات تو سمجھ لیں کہ وجود مادہ سے بنا ہے اور مادہ عدم سے۔ سو دن رات اربوں اشیاء اور صورتیں بنتی ہیں اور اسی انداز سے فنا بھی ہوتی رہتی ہیں کہ کل شیئٍ یرجع الیٰ اصلہ یعنی ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بالآخر سب ختم

ہو جائیں گی۔ اور قیامت کے بعد ان میں سے کوئی شے باقی نہ ہوگی۔ مگر وجودِ انسانی ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ رہے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسے روح سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور روح مادہ سے نہیں امرِ الٰہی سے ہے۔ قل الروح من امر ربی۔ روح میرے امر سے ہے۔ امر اللہ کی صفتِ ذاتی ہے اور ازلی و ابدی ہے جسے فنا نہیں تو روح کو بھی فنا نہیں۔ پھر روح کا رشتہ ذراتِ بدن سے اس قدر قوی ہے کہ یہ بھی ہمیشہ باقی رہیں گے۔ دوزخ میں رہے یا جنت میں انسان مخلوق ہے، حادث ہے لیکن اللہ نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ سو یہ رشتہ برزخ میں ٹوٹ نہیں جاتا جیسا کہ فرعون اور اس کی آل غرق ہوئے تو ارشاد ہے اغرقوا فادخلوا نارا کہ غرق ہوئے اور فوراً آگ میں داخل ہوئے۔ یہاں اغرقوا سے مراد صرف ان کے ارواح نہیں بلکہ انسان یعنی روح مع الجسد ہے اور وہی غرق آب بھی ہوئے تو ادخلوا کا مصداق بھی وہی ہیں۔ کوئی قرینہ موجود نہیں کہ ادخلوا سے صرف ارواح مراد لی جائیں۔ فرعون کا جسدِ عنصری اگرچہ آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے مگر برزخ کی آگ میں بدستور جل رہا ہے بلکہ ارشاد ہے النار یعرضون

علیہا غدوًا وعشیا کہ صبح و شام
آگ تازہ بتازہ بھیج دی جاتی ہے۔ سو روح برزخ میں کسی جگہ بھی ہو اور جسم کسی صورت میں بھی ڈھل جائے اس کے ہر ذرے کو روح سے تعلق رہتا ہے اور اس کا انکار کرنے والوں کو آپ دیکھیں تو کبھی جسمِ مثالی گھڑتے ہیں، کبھی اسی گڑھے کے قبر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کبھی سرے سے عذاب وثواب اور نکیرین کا انکار۔ اگر نہیں کرتے تو انکار ہی کی مثل کوئی توجیح گھڑتے ہیں۔ پھر احادیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ بزرگانِ سلف پہ طنز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابہؓ تک ان کی زد سے محفوظ نہیں۔ یہ سب بدحواسیاں صرف اس ایک انکار کا شاخسانہ ہیں کہ روح کا تعلق ذراتِ بدن سے کیوں مانیں۔ بھئی اس لئے مانو کہ یہ ہوتا ہے۔ اس کی خبر اللہ نے دی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے دی ہے۔

دوسری طرف مومن کی موت ہے

ارشاد ہوتا ہے **تتنزل علیھم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ** کہ دنیا سے رخصت ہونے کے وقت ان کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ تسلی دلاتے ہیں اور آئندہ کے حالات کی اطلاع دیتے ہیں کہتے ہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم دارِ دنیا سے عازمِ جنت ہو۔ نیز یہاں اگر ایک عالم چھوٹ رہا ہے۔ عزیز و اقارب سے جدائی ہے تو وہاں ایک عالم منتظر بھی ہے اور وصال اسی کی گھڑی ہے اور انعامات کی امید۔ نیز ہمیشہ کی راحت تمہاری منتظر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس کی قبر کا تعلق جنت سے قائم ہو جاتا ہے۔ برزخ میں اسے جنت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کے فرشتے اس کیلئے جنت کے لباس اور خوشبوئیں لاتے ہیں۔ اسے لے کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے پھر وہاں سے حکم ملتا ہے کہ اسے علیین جو برزخ کی جنت کہہ لیجئے میں فلاں مقام پر رکھا جائے۔ چنانچہ وہاں وہ قیام قیامت تک رہے گا اور بدن روح کی وساطت سے ان انعامات سے لطف اندوز ہوتا رہے گا جو وہاں روح پر وارد ہوں گے۔ یہاں بھی بدنِ حقیقی کو لذت حاصل ہوتی ہے جو محنت کر چکا نہ کہ اس کا صلہ کسی اور یار مثالی جسم کو۔

یہ درجہ عام مومن کا ہے۔ خاص کا مقام بلند ہے جیسے شہداء کہ جو راہِ حق میں قتل ہوئے ہیں۔ ان کے ابدان کا تعلق ارواح کے ساتھ اس درجہ قوی ہوتا ہے کہ علیین میں رہنے کے باوجود روح بدن کو تر و تازہ رکھتی ہے۔ اگر اس قسم کے مشاہدات نقل کئے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہوں۔ بہرحال ارشاد ہے۔ **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات**

بَل احیاءٌ ولاکن لاتشعرون۔
کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مُردہ نہ کہو
ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے
اور روح اس کی وساطت سے متاثر ہوتی ہے
سو من یقتل کا مصداق جسم ہے جو چھلنی
ہو جاتا ہے بعض اوقات پرخچے اڑ جاتے ہیں
جل جاتا ہے مگر حکم ہے مرتا نہیں ہے اور
نہ مرنے کی کیفیت تو یہی ہے کہ جس طرح مرنے
سے پہلے روح کا تعلق جسم سے تھا۔ اسی
طرح قائم رہے ورنہ کسی نہ کسی درجے میں تو
کافر کی روح کا اس کے بدن سے تعلق ضرور
ہوتا ہے جیسا پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ تو پھر
شہید کی اس میں کونسی فضیلت ہوئی۔ رہی
یہ بات کہ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔ فرمایا
انتم لا تشعرون۔ یہ بات تمہارے ذہن
کی گرفت سے بالاتر ہے۔ ہاں زندہ مانو اس لئے
کہ اللہ نے خبر دی ہے۔ ورنہ تو حقائق اخروی
وسماوی، وجود فرشتگان اور جنت و دوزخ
سب صرف اللہ کی خبر دینے سے پتہ چلے۔ اگر عقل
محض پتہ چلا سکتی تو فلاسفہ و حکماء بھی پتہ
کر لیتے۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ پیدا ہونے سے
لے کر مرنے تک کی بات کی ہے اس کے علاوہ
نہیں۔ حالانکہ یہ زندگی کا بہت تھوڑا حصہ ہے۔
اس سے پہلے کیا تھا اور یہاں سے آگے کیا ہے
اس پر صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے
ارشاد فرمایا کہ انہیں اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے
رہی یہ بات کہ زندہ جسم کیلئے کھانا پینا وغیرہ
ضروریات بھی تو ہیں تو ارشاد ہے احیاءٌ
عند ربھم یرزقون۔ فرحین
بما اٰتٰھم اللہ۔ زندہ ہیں اپنے رب کے
ہاں۔ رزق دئے جاتے ہیں اور لطف اندوز
ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عند ربھم
یعنی باعتبار عالم کے تمہارے پاس نہیں بلکہ
اللہ کے پاس برزخ میں ہیں۔ سو حیاتِ جسمانی
سے باعتبار کیفیت کے دنیا کی مانند ہے اور باعتبار
عالم کے برزخی ہے کھانا، پینا، سونا، جاگنا
راحت و آرام یا موسم وغیرہ ہر شئے برزخ
سے متعلق ہے۔ اور صدیق شہید سے
بلند تر مقامات رکھتا ہے۔ کہ کتاب اللہ کا ترتیب
سے واضح ہے کہ ارشاد ہے من النبین و
الصدیقین والشھداءِ والصالحین
وحسن اولٰئک رفیقا۔ نبی، صدیق
شہید اور صالحین یہ اللہ کے انعام یافتہ لوگ ہیں۔
سو جس قدر انعام شہید پر ہیں یقیناً صدیق
پر ان سے بہت زیادہ ہوں گے۔ اور شہید
و صدیق سب نبی کے قدم کی خاک ہیں۔
اور ان ہستیوں کے جملہ کمالات نبی کے اتباع
کا ثمر ہیں۔ سو جس کی غلامی میں یہ کمالات ملتے
ہیں خود اسکی ذات ان کمالات سے خالی ہو
یہ ممکن نہیں۔ پھر زندگی میں کیا سب برابر ہیں؟

ہرگز نہیں۔ غریب اور امیر کی زندگی مختلف ہے۔ جاہل اور عالم کی اپنی اپنی بلکہ دیہاتی اور شہری کی زندگی میں بڑا فرق ہے۔ ایسے ہی کافر اور مومن کی زندگی اپنی اپنی ہے کہ کافر زندہ بھی عنداللہ مُردوں میں ہے اور مومن موت سے ہمکنار ہو کر بھی زندہ ہے ایسے ہی مومن اور نبی کی زندگی بلکہ احکام شرعی تک برابر نہیں۔ مومن چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت نہیں رکھ سکتا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے احکام اس امر میں جدا ہیں۔ مومن کی نیند ناقض وضو ہے مگر نبی کی نیند جو موت کی بہن ہے ناقض وضو نہیں۔ فرمایا علیناٰی تنا مان ولاینام قلبی او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ اسی طرح کھانے پینے کے انداز جدا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال کے روزے رکھتے ہیں مگر صحابہؓ کو منع فرما دیا اور فرمایا میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں۔ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ایسے ہی جملہ امور ہیں آپ کی فضیلت کا کیسے انکار ہو سکتا ہے تو یقیناً آپؐ کی موت بھی اپنے انداز کی ہوگی۔ بات اس امر میں نہیں کہ حضورؐ پر موت وارد ہوئی یا نہیں۔ بھلا اس سے انکار کس کو ہے۔ بات اس امر میں ہے کہ ورودِ موت نے کیا حضورؐ کو زندگی سے محروم کر دیا یا حضورؐ موت کے بعد بھی زندہ ہیں اور اگر ہیں تو کس طرح یا نہیں تو کیا نتیجہ نکلے گا۔

سو آپؐ کی موت بھی صرف اتنی ہے کہ اس دنیا سے روح کا تعلق یا روح کی وجہ سے جسم کا جو تعلق غذا، لباس یا گرمی، سردی سے تھا یا تکلیفِ شرعی سے تھا وہ ختم ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروزِ عالم برزخ ہوئے۔ اب جملہ ضروریات برزخی سے متعلق ہو گئیں۔ سو حیات باعتبار کیفیت کے جسمانی اور دنیاوی ہے اور باعتبار عالم کے برزخی ٹھہری۔ کہ آپؐ کی حیات ہی قاسم برکات ہے اور رحمتِ باری ہے۔ اگر روحِ اطہر جسم مقدس سے جدا ہوا تو پھر رسالت نہ رہی کہ رسالت صفت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کو حاصل تھی اور یہ مجموعہ روح وجسد کا نامِ نامی ہے اگر روح علیحدہ ہو تو کہا جائے گا آپؐ کی روح یا جسم علیحدہ ہو تو یہی الفاظ کہے جائیں گے۔ مجرد روح یا اکیلے جسم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ نہیں کہا جائے گا تو یہ علیحدگی ذات کو نفی کر دے گی۔ جب ذات نفی ہوگی تو وصف اٹھ جائے گا کہ اوصاف قائم بالذات نہیں ہوتے قائم لغیرہ ہوتے ہیں۔ جب یہ وصف اٹھے گا تو تقسیم برکات ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ نور کی تاریں کسی دل سے نہ جڑ سکیں گی۔ جب یہ نہیں ہوگا تو مفاہیم قرآنی کو سمجھنے اور استفادہ کرنے کا

سوال ہی ختم۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی شخص مومن باقی نہ رہ سکے گا کہ موالعاتِ کفر کے ڈھ جانے سے کفر نہ صرف پھیل جائے گا بلکہ حق باقی ہو ہی نہ رہے گا۔ تو یہ دو سو کروڑ مسلمان پھر کس طرح ایمان پہ قائم ہیں اور اگر قائم ہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو حیاتِ انبیاء کے دو سو کروڑ زندہ گواہ موجود ہیں۔ اب اس کو ایک اور صورت میں دیکھیں۔

یہ بات طے ہے کہ نیک ارواح قبض ہو کر دنیا کی نسبت بہتر ٹھکانہ پاتی ہیں یہاں بھی لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے کہ شہید کے بارے حدیث پاک کا مفہوم ہے، سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت کی سیر کرتے ہیں۔ تو یار لوگوں نے انہیں پرندہ سمجھ لیا۔ حالانکہ انہیں سواری کے لئے وہ شئے ملتی ہے جیسے دنیا میں جہاز۔ فرق یہ ہے کہ جہاز اڑانا ہماری محنت سے متعلق ہے اور پرندہ خود اپنی کوشش سے اڑتا ہے۔ سو برزخ میں شہداء کو جو سواری نصیب ہے وہ خود بخود اڑتی ہے۔ انہیں صرف حکم دینا ہوتا ہے۔ ورنہ انسان سے پرندہ بنا دینا یہ فضیلت ہے یا اعلیٰ درجہ سے نیچے کھینچنے والی بات ہے اور یاد رہے یہ جنت دوزخ برزخی ہیں ورنہ اخروی جنت و دوزخ میں داخلے کے بعد پھر کوئی حساب کے لئے نہیں آئے گا۔ خصوصاً جنت میں داخلہ ہے۔ پھر کوئی واپس نہ لوٹے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہے گا۔ یہ صرف حسن بن صباح کی جنت تھی جہاں سے لوٹ کر پھر وارِ عمل میں آنا پڑتا تھا۔ اور اسی دھوکے سے اس نے باطنیوں کا مردود گروہ بنا لیا تھا جس نے بے شمار مظالم ڈھائے اور اب تک ڈھاتا چلا جا رہا ہے۔

سو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک بھی جسمِ اطہر کو چھوڑ کر کسی اور جگہ فروکش ہوئی تو رسالت کی نفی تو ہو ہی گئی۔ ساتھ میں ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ کارگہِ عالم میں جس قدر اجسام تخلیق ہوئے۔ سب سے افضل جسم آپ ﷺ کا ہی تو ہے۔ زمین پر، آسمانوں پر، عرش ہو یا کرسی، جنت ہو یا رمقامِ محمود سب سے افضل جسمِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے تو اگر روح مبارک نے یہ جسم چھوڑا تو یقیناً بہتر جگہ اور بہترین جسم کو چھوڑ کر اس سے درجے میں کم تر جسم میں جا گزیں ہوئی۔ تو کیا یہ درست ہوگا۔ کہ غلام تو غلامی کے طفیل اعلیٰ مقامات کی طرف عروج کریں اور خود آپ ﷺ کی روح پُرفتوح پہلے سے کمتر درجے کی طرف نزول کرے۔ عجیب بات ہے۔ ہاں رہی یہ بات کہ جسمِ اطہر میں رہتے ہوئے بیک وقت مقاماتِ برزخی یا اخروی سے متعلق ہونا کوئی مشکل نہیں بلکہ روح ایک وقت میں متعدد مقامات پہ جلوہ گری کر سکتی ہے جیسے

سورج اپنے مقام پر بھی ہے اور اپنی کرنوں اور گرمی کے ساتھ دوسرے اجسام سے بھی تعلق باندھے ہوئے ہے۔ اور یہ سب کچھ دنیا میں موجود ہے۔ ولی اللہ زمین پر بستے ہیں، کھاتے پیتے، سوتے، جاگتے ہیں مگر ان کی ارواح جسم میں موجود ہونے کے ساتھ عالم امر تک پرواز بھی رکھتی ہیں۔ خوب فرمایا کسی نے۔ ؎

صورتش بر خاک وجاں در لامکاں
لامکانے فوقِ وہمِ سالکاں

جب دنیا میں یہ موجود ہے اور آپؐ کے خدام بلکہ جوتوں کی خاک نشینوں میں موجود ہے تو آپؐ کی روحِ اطہر کی قرارگاہ وجودِ اقدس ہو اور برزخ اور برزخی مقامات سے بھی متعلق ہو اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ وہ ارشاد کہ ردّ اللّٰہ روحی او کما قال اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ روح پر فتوح متوجہ الی اللہ ہوتی ہے سو جب کوئی درود وسلام روضۂ اطہر پر جا کر عرض کرتا ہے تو من جانب اللہ حضورؐ کو اس کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کونسا لمحہ ہے جب دنیا میں زمین پر یا آسمانوں میں آپؐ پر درود نہ پڑھا جا رہا ہو۔

یہاں مجھے دوسرے دلائل عرض نہیں کرنا ہیں بلکہ صرف اسی آیۂ کریمہ کی روشنی میں عرض کرنا ہے **وفیکم رسولہ** قائم ہے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ ہیں اور شہید کو مُردہ کہنا حرام ہے چہ جائیکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو کہا جائے۔ سو آپ کی حیات باعتبار بدن کے دنیاوی جسمانی ہے رسالت قائم ہے۔ فیوضات بٹ رہے ہیں اور باعتبار عالم کے برزخی ہے۔ احکام اس پر برزخ کے وارد ہوں گے۔ نہ اس دنیا کے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تصحیح

المرشد شمارہ مئی میں صفحہ ۲۵ پر ۱۸ کے بعد ۱۹ کے سامنے یہ درج کر لیا جائے۔

۱۹۔ ملک غلام محمد صاحب ، واں بھچراں (ضلع میانوالی)

چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

مرد - عورت

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

عن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یضمن لی ما بین لحیتہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۔

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس کی ضمانت دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے اور جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

....

انسان کے اندر ہر وقت خواہشات کا ہجوم رہتا ہے اور وقفے وقفے سے مختلف خواہشات ابھرتی ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ میری ہر خواہش پوری ہو۔ یہ ایک قدرتی اور فطری عمل ہے۔ اور یہی چیز انسان کے لئے آزمائش اور امتحان بن جاتی ہے۔ مگر امتحان میں کامیاب ہونا بھی ایک فطری خواہش ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امتحان میں کامیابی کے لئے مختلف تدابیر بتائی ہیں کہیں تو کوئی ایسا راہنما اصول بتا دیا کہ ہر حال میں اور ہر امتحان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے کلیہ کا استعمال کامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا کہ مومن صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ اپنی ہر خواہش کو میری تعلیمات کا تابع بنا دے۔ اور کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی خاص امتحان یا خاص "پرچے" میں کامیاب ہونے کے لئے خاص تدبیر بتائی ہے۔

انسان کے وجود میں اللہ تعالٰی نے کچھ ایسی قوتیں رکھی ہیں جو ان خواہشات کے پیدا ہونے اور ان میں شدت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

ایسی قوتوں میں سے ایک زبردست قوت، قوتِ شہویہ ہے۔ یہ قوت انسان کو اس کی پسندیدہ چیزیں حاصل کرنے پر آمادہ کرتی اور ابھارتی ہے۔ اور انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے دو چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کی خواہش ابھرتی ہے تو انسان اکثر اوقات ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اس کی ناکامیوں اور نامرادیوں تباہی اور بربادی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ ہیں:-

زبان کا چسکا اور جنسی میلان۔

زبان کا چسکا اور اس کے پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اسے زیادہ باتیں کرنے اور باتیں بنانے کی دھن سما جاتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط بات، مفید اور مضر بات، جائز اور ناجائز بات میں تمیز اٹھ جاتی ہے۔ پھر وہ پہلے مرحلے میں فضول اور لایعنی باتیں کرنے لگتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا کرنا قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت جو زبان کی صورت میں عطا ہوئی ہے اس کی ناقدری اور ناشکری ہے۔ دوسرے مرحلے کا میدان بڑا وسیع ہے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر انسان جھوٹ غیبت، بہتان، الزام، گانا وغیرہ کو اپنا شغل بنا لیتا ہے۔ اور یہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی باتیں ہیں۔

تیسرا مرحلہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے اس میں انسان طعن و تشنیع، فحش، بکواس گالی گلوچ میں لطف محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھے تو ان چیزوں کو عبادت سمجھنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کو ناراض کر لیتا ہے۔

زبان کے چسکے کی دوسری صورت کھانے پینے کا چسکا ہے۔ کھانے پینے سے صرف پیٹ بھرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ مزے لینا مقصد ہوتا ہے اگر آدمی کو یہ چسکا پڑ جائے تو اس صورت میں بھی جائز و ناجائز، حرام و حلال کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور معاشرے میں ایسا بگاڑ پیدا ہوتا ہے کہ ہر طرف لوٹ مچ جاتی ہے اور انسان اپنے بلند مقامِ انسانیت سے گر کر جانوروں کی صف میں آکھڑا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہی منظر سامنے آتا ہے جو کتوں کے ہجوم میں کوئی ہڈی پھینکنے سے ہوتا ہے۔

قوتِ شہویہ کا دوسرا میدان جنسی میلان ہے۔ اگر آدمی کو یہ چسکا پڑ جائے تو نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ جنس زدہ انسانوں کا معاشرہ دراصل حیوانوں کا ایک جنگل ہوتا ہے کسی شریف آدمی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اس قوت کے ان دونوں امتحانوں میں کامیاب ہونے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک ہے تدبیر اور دوسرا اس کا صلہ اور انعام ۔ تدبیر یہ بتائی کہ اس کی ضمانت دو ۔ یہ لفظ بڑا جامع لفظ ہے ۔ ضمانت کیا اور کیسے ؟ ضمانت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا خیر خواہ سمجھو ۔ اور یہ عہد کرو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر ان قوتوں کو کسی استعمال میں نہیں لاؤں گا طریقہ یہ ہے کہ جس خواہش کو جس حد تک اور جس طریقے سے پورا کرنے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے ۔ بس اس حد کے اندر رہو ۔ مثلاً زبان کا چسکا ہے ۔ اگر بولنے کا شوق ہے تو اس شوق کو یوں پورا کرو کہ ایسی باتیں کرو جو دوسروں کیلئے مفید ہوں ۔ کسی کو ضرر نہ پہنچے ۔ پھر سب سے زیادہ مفید وہ باتیں ہیں جن سے انسان کی آخرت سنورتی ہے اور وہ باتیں دین کی باتیں ہیں ۔ ان دو صورتوں میں اپنا شوق پورا کرو اور جی بھر کے کرو ۔ اس سے فارغ ہو تو اللہ کے ذکر میں زبان کو لگا دو ۔

اسی طرح کھانے پینے کا چسکا ہے اچھا کھاؤ پیو ۔ مگر صرف دو باتوں کا خیال رکھو کہ حلال غذا ہو اور حلال ذریعے سے حاصل کی گئی ہو ۔ دوسرا یہ اصول سمجھ کے کھاؤ پیو کہ کھانا پینا زندہ رہنے کے لئے ہے ۔ زندگی صرف کھانے پینے کے لئے نہیں ۔ اب اندازہ کرو کہ زبان کے سلسلہ میں یہ ضمانت دینے سے کتنے فائدے حاصل ہوئے ۔ خواہش بھی پوری ہو گی اور معاشرے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہ ہوئی ۔

ایسے ہی جنسی میلان کے سلسلے میں ضمانت یہ ہے کہ اس فطری میلان اور جذبہ کی تسکین کے لئے موزوں ترین تدبیر جو بتائی ہے وہ ہے نکاح کی پابندی ۔ اس پابندی سے آزاد ہو کر اس جذبہ کی تسکین کا شوق سراسر حیوانیت ہے ۔

"دو رانوں کے درمیان کی ضمانت" کہنے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکیمانہ تربیت کا کیسا حسین انداز ہے ۔ انسان کا ایک قیمتی سرمایہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت شہویہ ہے ۔ اس قوت کا صحیح استعمال جہاں انسان کی فطری ضرورت ہے وہاں اس کا غلط استعمال انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر کے اسے حیوانوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے ۔ انسان پرامن ، پرسکون اور پرلطف زندگی بسر کرنے کے لئے جو کام کرتا ہے اور اس میں جتنی محنت کرتا ہے ۔ اس کا اصل محرک یہی قوت شہویہ ہوتی ہے ۔ خوب سے خوب تر کی تلاش اور اس کیلئے دوڑ دھوپ اسی قوت کے مظاہر ہیں ۔ یہ نہ ہو تو زندگی بے مزہ ہو جائے اور اس پر جمود طاری ہو جائے ۔ روزی کمانا ، اچھا کھانا ، اچھا پہننا ، اچھی رہائش وغیرہ سب اسی کے فطری تقاضے ہیں ۔

اس کے برعکس اس قوت کے غلط

استعمال کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے سلسلے میں کسی پابندی اور کسی سلیقہ سے بے نیاز ہوکر من مانی کرنے لگے تو اس کی ضمانت دینے سے مراد یہ ہے کہ انسان جنسی خواہش کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اسلام کے بتائے ہوئے ضابطہ کا پابند رہے اسلام نے اس ضمن میں انسان کے فطری تقاضوں کا یہانتک خیال رکھا ہے کہ جوانوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں بن بیاہے رہنے کو سخت ناپسند فرمایا اور نکاح کو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے النکاح من سنتی ۔ اور اس سنت کی اہمیت کا اندازہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کے دوسرے جملے سے ہوتا ہے کہ فمن رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو شخص میری اس سنت سے منہ موڑ بیٹھا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

پھر اس سنت کے پورا کرنے کی یہاں تک آزادی دی کہ انسان کے بے راہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک وقت میں چار عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اتنی رعایت اور اس قدر آزادی کے باوجود پھر بھی کوئی شخص اگر اس قوت کو غلط طور استعمال کرنے کیلئے کوئی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو وہ بے انسان کہنا اور اصل انسانیت کی توہین ہے۔ اور جو شخص اسلام کی دی ہوئی رعایت کے دائرے میں رہ کر فطری عمل پر اکتفا کرے تو اس میں خود اس کا فائدہ اور معاشرے کا امن برقرار رہنے کی ضمانت ہے۔ مگر حضور اکرمؐ نے اس کے فوائد کو دنیوی زندگی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ارشاد فرمایا کہ میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک تو جنت جو ابدی راحت اور لقائے الٰہی کا مقام ہے۔ پھر حضور اکرمؐ کی ضمانت۔ اب بھی جو بدنصیب اس دوگونہ انعام سے محروم رہے اسے کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے۔ اللہ تعالے دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔

۲

عن ابن عباسؓ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔

(بخاری)

ترجمہ:۔ ”نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کی جسمانی ساخت، اس کی ذہنی صلاحیتیں اور اس کی عملی قوتیں ساری مخلوق میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس تخلیقی شاہکار کو دو جنسوں میں بانٹ دیا یعنی مرد اور عورت۔ پھر ہر جنس کا ایک خاص فطری دائرۂ عمل اور وظیفۂ حیات مقرر فرمایا۔ اور ہر جنس کے فطری تقاضوں کے مطابق اس کے ہر پہلو میں فرق اور امتیاز رکھا۔ مرد کی جسمانی ساخت، قوتِ کار، ذہنی اور عملی صلاحیتیں اس کے وظیفۂ حیات کے عین مطابق رکھی ہیں۔ اور عورت کے جسم کی بناوٹ اور اسکی فطری لطافت اور نزاکت اس کے فطری تقاضوں کے مطابق مرد سے بالکل مختلف رکھی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی کاریگر جب کوئی چیز بناتا ہے تو پہلے طے کر لیتا ہے کہ اس سے کیا کام لینا ہے۔ پھر اس مقصد کے پیشِ نظر اس کی ساخت اور کارکردگی کی قوت اور سلیقہ کو ترتیب دیتا ہے۔ اگر موجد کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر اس چیز کو استعمال کیا جائے تو نہ صرف مقصد فوت ہوتا ہے بلکہ وہ پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو صانع حقیقی ہے اور انسان جو اس کا تخلیقی شاہکار ہے اس کے متعلق کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ مرد اور عورت کی تخلیق اور ان کا دائرۂ کار متعین کرنے میں وہ معاذاللہ کہیں

چوک گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود اگر کوئی ذہن اس حقیقت سے ذہنی طور پر یا عملی اعتبار سے انکار کر بیٹھے تو اس کی بدنصیبی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے

اس محرومی سے بچانے کیلئے محسنِ کائنات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عظیم خطرے سے آگاہ فرماتے ہوئے ایسے لوگوں کو خواہ مرد ہوں یا عورت ملعون قرار دیا ہے۔

لعنت کا آسان اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ یہ لفظ سخت ناپسندیدگی اور انتہائی درجے کی نفرت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ وہ ناپسندیدہ کام جو مسلمان کو حضور اکرم ؐ کی نگاہ میں ملعون بنا دے واقعی اس قابل ہے کہ ایک مسلمان کیلئے اس فعل کا ارتکاب کسی درجے میں مرغوب نہ ہو بلکہ اس کام کے کرنے کے متعلق سوچا بھی نہ جائے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قابلِ نفرت کام کی نشاندہی فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمایا ہے کہ حضور کی نگاہ میں اس کا مرتکب ملعون ہے۔ اور وہ کام ہے مردوں کو اس بات کا شوق ہونا کہ وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور عورتوں کو اس بات کی دھن سما جانا کہ وہ مرد نظر آئیں۔

اس مشابہت کی بنیاد اور اصل تو انسان کے قلب و دماغ میں ہوتی ہے اور اس کا اظہار شکل و شباہت، لباس، چال ڈھال، اور عام رویے سے ہوتا ہے۔ اور یہ اظہار ہی

دراصل وہ مخصوص صورت ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اصل چور دل اور دماغ کو کمین گاہ بنا کر یہ سارا فساد پیدا کر رہا ہے۔

کسی مرد کا زنانہ پن اختیار کرنا اور کسی عورت کا مردانہ پن اپنانا فطرت اور خالق کے خلاف ایک خاموش احتجاج ہے کہ تونے مجھے "یہ" کیوں بنا دیا مجھے تو "وہ" بنایا ہوتا۔ لیکن جب تونے نہیں بنایا تو میں فطرت سے بغاوت کر کے اپنی کوشش سے "وہ" بن کر دکھا دوں گا۔

اس کوشش کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسا کرنے والا دراصل یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہوں تو مسلمان مگر مجھے (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ پر اعتماد نہیں۔ مجھے حضورؐ کے اندازِ فکر سے اختلاف ہے۔ میرے لئے حضورؐ کا مشورہ قابلِ قبول نہیں۔ میرے لئے حضورؐ کا تمدنی نظام ایک بوجھ ہے۔ اور یہ رویہ مسلمان کی بدنصیبی کا آخری نقطہ ہے۔

اصولاً اس حقیقت سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا مگر عملاً حالات مختلف نظر آتے ہیں۔ مشاہدہ یہ ہے کہ پاؤں کے ناخن سے سر کی چوٹی تک جہاں کہیں اپنے اختیار سے اس تبدیلی کا امکان نظر آتا ہے۔ مرد ہوں یا عورت ہر امکانی تدبیر اختیار کرنے کا فکر اور تدابیر سوچتے رہتے ہیں اور عملاً ان تدبیروں کو بروئے کار لاتے رہتے ہیں۔ اور پاؤں کے جوتے سے لے کر سر کی ٹوپی تک لباس کے جس حصے میں الٹی زقند لگانے کی ہر ممکن صورت اختیار کی جاتی ہے۔ جس کی تفصیل کے لئے الفاظ کے تانے بانے کی ضرورت نہیں۔ آج کا مسلمان معاشرہ اور آج کی نوجوان نسل زندہ اور متحرک ثبوت موجود ہے۔

حال یہ ہو گیا ہے کہ بعض اوقات پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت طبقۂ اناث سے تعلق رکھتے ہیں یا طبقۂ ذکور سے۔ اور یہ کہنا پڑتا ہے۔

"نیں کیہڑا ں"

یوں لگتا ہے کہ مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ میں ملعون بننے کی منظم تحریک چلا رکھی ہے۔

اور لطف یہ ہے کہ اسے کمالِ تہذیب بھی تصور کیا جاتا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

عن ابی هریرة قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة لبسة الرجل۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ "حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنیں"۔

انسان کا لباس دراصل اس کے عقیدہ اس کی سوچ، اس کے نظریہ اور اسکی پسند و ناپسند کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایک جنس کا دوسری جنس کا لباس پہننا حقیقت میں فطری ذمہ داریوں سے فرار کا اظہار اور اعلان ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مرد کے جسم کی ساخت عورت کے جسم کی بناوٹ سے مختلف ہے۔ اس لئے زندگی کے فرائض اور دائرہ عمل بھی مختلف ہیں۔ ایک جنس دوسری جنس کی فطری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا اپنی فطرت سے بغاوت کرکے دوسری جنس سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنی جنس کی ذمہ داریوں سے بھاگتا ہوں اور چونکہ دوسری جنس کی ذمہ داریوں کو نباہنے کی نہ صلاحیت ہے نہ قدرت۔ لہٰذا ان سے خود بخود چھٹکارا مل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کوشش دراصل زندگی سے فرار کی کوشش ہے مگر مجرد زندگی نہیں بلکہ انسانی زندگی سے فرار ہے۔ البتہ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے کی ایک مہذب تدبیر ہے۔

اس سعی پیہم اور کوشش ناتمام کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مرد اور عورت کے لباس میں تفریق ہی کم رہ گئی ہے۔ کپڑے کا رنگ، لباس کی تراش خراش، ڈیزائن، فیشن وغیرہ ایسے بن چکے ہیں کہ حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مردانہ لباس ہے یا زنانہ۔ ممکن ہے یہ تحریک اس لئے چلائی گئی ہو کہ جب مردانہ اور زنانہ لباس کی تعیین ہی نہیں رہے گی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کا محل ہی مفقود ہوگا۔ مگر یہ سب ایک فرضی ڈرامے کے اداکاروں کی اداکاری ہے یا فینسی ڈریس شو ہے۔ جس سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔

کاش!

مسلمانوں نے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے منصب کو اور آپ کے احسانات کو پہچانا ہوتا۔

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

ملفوظات شیخ العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں قدس سرہ العزیز

فرمایا

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ---الخ

قرآن مجید کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیہ) کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ دوسروں تک اللہ کے دین کو پہنچائیں۔ انہیں دین حق کی دعوت دیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

فرمایا

(سالانہ اجتماع کے موقعہ پر) آپ لوگ جو یہاں دُور دُور سے آتے ہیں۔ اپنی مصروفیات کو چھوڑ چھاڑ کر یہاں اس انداز سے رہتے ہیں اور اچھی خاصی مشقت برداشت کرتے ہیں تو آخر کیوں؟

اس امر پہ غور کریں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ اس کے دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے، دل میں خلوص پیدا ہو جائے۔ اب جب کہ آپ یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ جو چیز بحمد اللہ آپ نے یہاں سے حاصل کی ہے اور جو دولت آپ اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جا رہے ہیں۔ اسے اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں۔ اور خود بھی اس کی حفاظت کریں ——— شیخ کا کام ہے تربیت کرنا اور راہنمائی کرنا۔ اور وہ نعمت جو اللہ نے اسے دی ہے اس کے فیضان سے دلوں کی تشنگی بجھانا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور پھر دوسروں کو دین کی دعوت دیں اور یہ نعمت لوگوں تک پہنچائیں۔

فرمایا

اتباعِ سنّت کا خاص اہتمام کریں۔ نماز کی پابندی کریں۔ نماز خشوع و خضوع اور تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا کریں۔ ذکرِ الٰہی پر مداومت اختیار کریں۔ اس کے بغیر اصلاحِ احوال مشکل ہے

فرمایا

ذکرِ الٰہی پر مداومت ضروری ہے اس کے بغیر اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں۔ جب تک باطن کی اصلاح نہ ہو، ظاہر کی اصلاح بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر ظاہر کی اصلاح کسی قدر ہو بھی جائے تو باطن کی خرابی سے آہستہ آہستہ وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

فرمایا

سلوک اور منازلِ سلوک کی اہمیّت کا صحیح احساس تو موت کے بعد ہی ہو گا۔ پھر پتہ چلے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ دنیا و مافیہا اور یہاں کی دولت و ثروت اور حکومت وغیرہ اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت کسی کو عطا فرما دے تو پھر یہ ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

ایں آں سعادت ہست کہ حسرت برد براں
جو یائے تختِ قیصر و ملکِ سکندری

اس دنیا میں سب سے بڑی چیز یہ ہے اللہ تعالےٰ علومِ شریعت عطا کر دے۔ اس کے بعد پورا پورا (مکمل طور پر) علومِ باطنی عطا کر دے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔

فرمایا

منازلِ سلوک جو کہ دراصل منازلِ قرب ہیں۔ ان کا مدار اتباعِ شریعت پر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ شیخِ مقتدار سے خلوصِ قلبی ہو۔ ورنہ یہ دولت حاصل کرنا محال ہے۔

فرمایا

تصوّف تو سارے کا سارا ادب ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جس شخص سے آپ فیض لینا چاہتے ہیں یا جو آپ کو توجہ دیتا ہے، معمول کراتا ہے۔ اس کا ادب ضروری ہے۔ ورنہ اس راہ میں بغیر ادب و احترام کے فائدہ ممکن نہیں ــــــ وہ لوگ جو شیخ کی طرف سے معمول کرانے پر مقرر ہیں۔ ان کی حیثیت بڑے بھائی کی سی ہے۔ ان کا احترام ضروری ہے اور انہیں چاہیئے کہ وہ چھوٹے بھائیوں کی تربیت کریں اور ان سے شفقت و محبت کا سلوک کریں ــــــ لیکن یاد رہے کہ ادب، اطاعت و احترام اتباعِ شریعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہو تو پھر لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

فرمایا

لطائف، مراقبات، سالک المجذوبی اور منازل یہ سب عبادات میں داخل ہیں۔ ان کی اہمیت کا صحیح علم تو موت کے بعد ہوگا ــــــ اس کے بعد لسانی اذکار ہیں تو قرآنِ کریم کی تلاوت کریں۔ ذکر نفی اثبات لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود کثرت سے بھیجیں۔ استغفار پڑھیں۔ کم از کم ایک تسبیح کی مقدار دن رات میں ضرور پوری کریں ــــــ رات سونے سے پہلے دس مرتبہ یا بیس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ ضرور پڑھیں۔ سورۃ اخلاص پڑھیں۔

فرمایا

اگر کسی شخص کو تنگدستی ہو تو میری طرف سے تمام جماعت کو اجازت ہے کہ اوّل آخر درود شریف اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پانچ تسبیح پڑھیں۔ انشاء اللہ کچھ مدت کے بعد یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔

فرمایا

جب ذکرِ الٰہی دل میں سما جاتا ہے تو اس کی اصلاح شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے پیشتر جن خواہشات، عقائد اور مرغوبات نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ ذکرِ الٰہی انہیں دلوں سے نکال باہر

پھونک دیتا ہے۔ شرک، تکبر، انانیت اور دوسری خباثتیں بالآخر وہاں سے نکل جاتی ہیں۔

فرمایا

صوفیائے کرامؒ نے بطریقِ علم اعتبار اس آیت سے اس مضمون کو اخذ کیا ہے۔ ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ ۔۔۔ الخ۔ جب بادشاہ کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہاں کی تمام سابقہ حالات کو بدل دیتے ہیں۔ اسی طرح جب سلطانِ ذکر دل میں سما جاتا ہے تو وہاں سے غیروں کے تسلط کو ختم کردیتا ہے۔

فرمایا

صحابہ کرامؓ کا بڑا مقام ہے۔ دنیا میں اسلام صحابہ کرامؓ نے پھیلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "نجومِ ہدایت" اور "لسانِ نبوت" کے اعزازات سے نوازا ____ صحابہ کرامؓ نے دین براہِ راست حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ اور بے کم و کاست دوسروں تک اس پیغامِ ربانی کو پہنچایا۔ اگر ان سے اعتماد اٹھالیا جائے تو پھر دین ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

فرمایا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل وارث وہ ہے جس نے نبوت کے دونوں پہلو (علوم نبوت اور اسرارِ نبوت) سے حصہ پایا ہو۔ ورنہ اوتوا نصیبا من الکتاب کے مصداق پورا وارث نہیں ہو سکتا۔ اہلِ سنت والجماعت کے حق پر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔ نبوت کے ظاہری پہلو مذاہبِ اربعہ نے اور اس کے باطنی پہلو کو سلاسل اربعہ نے سنبھال لیا ہے۔

فلسفہ اور برکاتِ رمضان

~~فلسفہ اور~~ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان ۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے اور گرمی بھی جوبن پر ہے ۔ کچھ لوگ تو ائرکنڈیشن کمروں میں ہوں گے اور اکثر تپتی دھوپ میں کام کرنے پر مجبور ۔ پھر دونوں طبقوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو رمضان المبارک کا شدید انتظار ہے ۔ اور ایسے بھی جو پریشان بھی ہیں ، گھبرا رہے ہیں ۔ اس لئے نہیں کہ روزہ مشکل ہے ۔ بلکہ انہیں روزہ سرے سے رکھنا ہی نہیں ۔ مگر وہ اور صرف وہ پریشان ہیں نہ جانے کیوں ؟

آئیے دیکھیں کیا یہ مشقت صرف امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ڈالی گئی ہے یا کسی اور کو بھی اس سے سابقہ پڑا ۔ تو ارشاد ہوتا ہے :۔

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔

کہ تم پر روزے صرف اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر ۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۔ اس آیہ کریمہ میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں ۔ اوّل یہ کہ روزے

پہلی امتوں پر بھی فرض کیے گئے۔ نیز یہ محض مشقت نہیں بلکہ ایک خاص مقصد کے لئے تربیتی پروگرام ہے۔ اور وہ مقصد حصولِ تقویٰ ہے۔

تقویٰ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی سے روک دے۔ اور عملاً اللہ کی عظمت سے آشنائی نصیب ہو۔ یعنی انسان کا ہر عمل اس بات پہ شہادت دے کہ اسے اللہ سے تعلقِ عبدیت حاصل ہے یہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی عظمت سے آشنا ہے۔

اور بالکل یہی بات پہلی آیہ کریمہ میں بھی ایک اور انداز سے ارشاد ہوئی ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو تمام انسانیت کے لئے جملہ امور میں ہدایت ہے۔ اور نہایت کھلے انداز میں راہنمائی اور احقاقِ حق فرماتا ہے۔ تو یہاں یہ خبر دی کہ اس مبارک مہینہ میں بندے کو ربِ کریم سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا۔ جو معراجِ انسانیت ہے۔ اور جسکی استعداد صرف اور صرف انسانی پیکر میں ودیعت کی گئی ہے۔ ورنہ تو ساری مخلوق میں فرشتوں کو اعلیٰ درجے کی پاکیزگی اور طہارت حاصل ہے۔ تخلیقی طور پر نوری مخلوق ہیں اور نفس کی شرارتوں سے آزاد اور عملاً کبھی نافرمانی نہیں کرتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ**۔ کہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ استعداد جو اللہ نے انسان میں رکھی ہے فرشتوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ کہ اللہ کی معرفت کا واحد اور اکیلا سبب نبوت ہے جو صرف انسانوں کے حصہ میں آئی۔ اور کوئی دوسری مخلوق اس سے نوازی نہیں گئی۔ چنانچہ عوارضاتِ بشریت کے باوجود فطرتاً ہر انسان میں فیضانِ نبوت سے مستفیض ہونے کی استعداد موجود ہے نیز اسے یہ کمال حاصل ہوا ہے کہ یہ بشری تقاضوں کے باوجود فرشتوں جیسی پاکیزگی اور طہارت حاصل کر سکتا ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام عالی فرشتوں سے بھی بہت بلند تر ہے۔ جبھی تو وہ کلامِ باری سے نوازے جاتے ہیں۔ اور کلامِ باری کا یہ خاصہ ہے کہ جو اس سے سرفراز ہوا وہ اعلیٰ درجے کی پاکیزگی سے سرفراز ہوا۔ سو براہِ راست یہ مقام انبیاء میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور پھر تمام انبیاء علیہم السلام کا کہ جملہ انبیاء کے لئے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا شرط ٹھہرا۔ چنانچہ یومِ میثاق میں ہی اس کی ابتدا ہوگئی اور ہر نبی نے اپنی بعثت پر آپ کی تشریف آوری کی خبر دے کر نیز لوگوں کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دے کر اس کی تکمیل فرمائی۔ پھر جملہ مخلوق میں سے ان لوگوں کو حسبِ حیثیت یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی جو انبیاء پر ایمان لائے اور ان کا

اتباع اختیار کیا۔ جو اس سے محروم رہے
ہیں ہمیشہ کے لئے محروم قرار دے دیا گیا۔ اور یہ
محرومی دوزخ کی آگ سے بھی اشد تر ہے۔ چنانچہ
کفار کے بارے ارشاد ہوتا ہے۔
لَن یکلمھم اللّٰہ یعنی دوزخ میں تو جائیں گے
ہی اس پر مزید یہ کہ اللہ ان سے کلام بھی نہیں
فرمائیگا۔ سو رمضان المبارک ایک ایسا کورس یا
تربیتی پروگرام ٹھہرا جس میں انسان کو باوجود بشری
تقاضوں کے فرشتوں جیسی طہارت و اطاعت
اختیار کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے کہ نہ کھانا فرشتوں
کے اوصاف میں سے ہے چنانچہ مومن ایک مقررہ وقت
سے لے کر مقررہ وقت تک کھانے پینے اور مباشرت
وغیرہ سے رک جاتا ہے۔ نیز اطاعت میں بھی کمال
حاصل کرتا ہے کہ باوجود شدتِ پیاس کے پانی
نہیں پیتا۔ کوئی نہ دیکھ رہا ہو، سخت پیاس ہو،
ٹھنڈا پانی موجود ہو مگر پیتا نہیں۔ کیوں؟ صرف
اس لئے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ گویا طبعًا بھی اور
عملًا بھی اوصافِ ملکوتی کے حصول کی تربیت دی
جاتی ہے۔ اسے اصطلاحِ تصوف میں مجاہدۂ
اضطراری کہا جائے گا۔ کہ حکمًا یہ مجاہدہ کرایا
جا رہا ہے۔ اب دوا کوئی اپنی ہاتھ سے پی لے یا
زبردستی پلادی جائے اثر کرتی ہے۔ ایسے ہی
مجاہدہ اختیاری ہو یا اضطراری اثر ضرور کرتا ہے
ہاں پرہیز شرط ہے۔ نیز جیسا کہ احادیث مبارکہ
میں جابجا ارشاد ہے کہ روزہ مکمل رکھے۔

نہ یہ کہ صرف شکم پری سے باز رہے۔ بلکہ زبان
کان، آنکھ اور ذہن و دل تک کا روزہ ہو۔ زبان کو
فحش کلامی سے، آنکھ کو غلط نگاہی سے، ذہن
کو برائی سوچنے سے اور دل کو بری خواہشات سے
روکے اور روکنے کی پوری کوشش کرے۔ یہاں
یہ گمان نہ کیا جائے کہ وساوس سرے سے آئیں گے
ہی نہیں۔ اگر آئیں گے ہی نہیں تو روکے گا کس کو۔
ہاں محنت کرنے سے اگر دوامِ حضور نصیب ہو جائے
تو پھر یہ کیفیت بھی ممکن ہے۔ اسی طرح یہ امید
بھی فضول ہے کہ جہاں میں کوئی برائی نظر ہی نہ آئے
گی۔ بلکہ اسے اپنی نگاہ کو روکنا ہے۔ ایسے ہی ارشاد
نبوی ہے کہ "اگر کوئی تمہیں گالی دے تو اسے کہو کہ
میں روزے سے ہوں"۔ یا فرمایا کہ "کوئی شخص
جھوٹ بولنے سے زبان کو نہ بچالے تو اللہ کو اس
کے بھوکا پیاسا رہنے کی پرواہ نہیں"۔ یاد رہے میں
احادیث مبارکہ کا مفہوم نقل کر رہا ہوں، ترجمہ لفظی نہیں۔
سو اس ساری محنت کے ساتھ رمضان المبارک کی
برکات بھی ہیں۔ سو فرمایا من صام رمضان
ایمانًا واحتسابًا غفرلہٗ ما تقدم من
ذنبہٖ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔
یا ارشاد ہوا:۔

من قام رمضان ایمانًا واحتسابًا
غفرلہٗ ما تقدم من ذنبہٖ اوکما قال
صلی اللہ علیہ وسلم۔

کہ جس کسی نے ایمان اور احتساب سے یعنی حضورِ قلب سے

روزہ رکھا یا رمضان میں قیام کیا تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف ہو گئے۔ یعنی اسے طہارت و پاکیزگی میں ایک خاص درجہ نصیب ہوا اور فیوضات و تجلیاتِ باری کو پانے اور حاصل کرنے کی ایک خاص استعداد حاصل ہوئی۔ ایسے ہی لیلۃ القدر کہ رمضان المبارک کی ایک رات ہزار مہینہ سے افضل ہے۔ یعنی ہزار ماہ مسلسل بغیر انقطاع کے کوئی صرف اور صرف عبادت میں گزار دے تو لیلۃ القدر میں عبادت کرنے والا حصولِ طہارت یا برکات میں اس سے بڑھ جاتا ہے۔ گویا اس سے بڑھ جانا یہ کم از کم درجہ ہے۔ کتنا بڑھ جاتا ہے یہ ہر ایک انسان کا اپنا درجہ ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ رات آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اور یہ بھی جان لیں کہ یہ ایک رات بیک وقت روئے زمین پر نہیں ہوتی بلکہ مختلف آبادیوں میں مختلف اوقات میں ہو سکتی ہے۔ بندہ عاجز نے کہیں پڑھا تھا حوالہ یاد نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سننے کی سعادت نصیب ہوئی، اور خود تجربہ بھی دیکھا کہ بعض اوقات بالکل قریبی شہروں میں بھی کبھی ایک شہر میں ایک رات میں جلوے برستے ہیں تو دوسرے شہر میں دوسری شب کو۔ شاید یہ بھی رحمت لٹانے کا ایک انداز ہے۔

نیز ارشاد ہوتا ہے کہ پہلا عشرہ رحمت، دوسرا بخشش اور تیسرا دوزخ سے رہائی کا ہے۔ منادی پکار پکار کر دعوت دیتا ہے کہ آؤ اور رحمتِ باری سے دامن بھر لو۔ ایسے ہی دوسرے عشرے میں اعلان ہوتا ہے کہ بخشش چاہنے والو کہ تمہیں بخشش سے نوازا جائے۔ اور تیسرے عشرے میں دوزخ سے رہائی کے پروانے بٹتے ہیں۔ پھر اس قدر عظیم جود و سخا کے ساتھ مزید کرم یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سرکش شیاطین اور جن جکڑ دئیے جاتے ہیں اور رمضان المبارک کا پورا مہینہ قید رکھے جاتے ہیں۔ نیز دوزخ کے دروازے بند کر دئیے جاتے ہیں۔ اور جنت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات کھٹکتی ہے جب شیاطین قید کر دئیے جاتے ہیں تو پھر رمضان المبارک میں برائی کیوں ہوتی ہے۔ تو عرض ہے کہ انسان اگر نیکی کرے تو بشری کمزوریوں کے باوجود فرشتوں سے بڑھ کر پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے اور تجلیاتِ ذاتی سے اس کا دل منور ہوتا ہے۔ جن کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ ارض و سما برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

لیکن اگر برائی کی راہ پر گامزن ہو تو جس قدر ذاتِ نبوی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر شیطان کے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے جب ادھر سے رشتہ منقطع ہو کر پوری طرح ابلیس سے پیوست ہو جاتا ہے۔

اس درجے والا شیطٰن کی فطرت کو اپنے قلب میں سمو لیتا ہے۔ اور پھر وہ خود شیطٰن ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے **شیاطین الجن و الانس** ۔ فرما کر دونوں طرح کے شیطانوں کا ذکر فرمایا ہے اور سورہ ناس میں ان دونوں کے وساوس سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم بدیں الفاظ ارشاد فرمایا ہے۔ **الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس** سو ایسے لوگوں کو شیطانی پیغام بھی القا ہوتے ہیں کہ ارشاد ہے **ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاءھم** یعنی جنہیں شیطٰن کی دوستی یا ولایت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے دلوں پر اس کی باتیں القا ہوتی رہتی ہیں۔ اور پھر اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کا کام کرتے ہیں۔ خود برائی کرتے اور دوسروں کو برائی کی دعوت دیتے ہیں اور اس طرح خود تباہ ہو کر نسلِ انسانی کو تباہی میں دھکیلتے رہتے ہیں۔ سو ایک صوفی کو ان جملہ امور پہ نگاہ رکھنی چاہیئے۔ اور سحر و افطار کے اوقات کا خاص اہتمام چاہیئے۔

اسی طرح جن امور سے روزہ فاسد ہوتا ہے ان سے بہت زیادہ احتیاط رکھے۔ حتیٰ کہ مکروہاتِ روزہ کو دھیان میں رکھے اور دل و نگاہ کو قابو میں رکھے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ بغیر ضرورت باہر نہ نکلے۔ نہ فضول بات زبان سے نکالے نیز تلاوت اور ذکر اذکار میں خوب دل لگا کر محنت کرے کہ شاید پھر یہ بابرکت مہینہ اور بابرکت موقع نصیب بھی ہو کہ نہ ہو۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ سحری و افطاری اور تراویح کے سبب اوراد و اذکار چھوٹ جاتے ہیں۔ یا ان میں کمی آ جاتی ہے۔ جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام امور کے ساتھ زیادہ محنت سے ذکر کرنا چاہیئے۔ اور دل کی جلا اور سینے کی روشنی کا اہتمام کیا جائے۔

حسبِ حیثیت صدقہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجود الناس تو تھے ہی مگر رمضان المبارک میں آپؐ کی سخاوت کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ نیز اگر ممکن ہو تو اعتکاف ضرور کیا جائے کہ اس میں فوائدِ عظیم حاصل ہوتے ہیں۔ روزہ بھی اور دن رات مسجد میں قیام اور ہمہ وقت ذکر۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جو صرف اسی مبارک مہینہ میں نصیب ہو سکتی ہے۔

تربیت السالکین

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

چند سوالات جو احباب نے دریافت فرمائے اور بحمد اللہ انہیں انفرادی جوابات بھی عرض کر دئے افادۂ عام کیلئے انہیں ضبط کرنا مناسب خیال کرکے اس مضمون کی ابتدا کی گئی ہے۔ ممکن ہے اس طرح سے کسی وقت تک یہ ایک الگ کتاب بن جائے۔ اور احباب طریقت کے قلوب گرماتی رہے۔ وباللہ التوفیق۔

اوّل

ایک صاحب مجاز ساتھی نے سوال کیا کہ توجہ کس طرح دی جائے نیز مجھے کشف نہیں ہوتا تو میں کس طرح دوسرے ساتھیوں کے مراقبات کی تعیین کروں ؟

توجہ کا طریق کار تو معروف ہے کہ آپ دائیں طرف بیٹھیں اور جن احباب کو توجہ دینا چاہتے ہیں انہیں اپنے بائیں طرف قبلہ رو بٹھالیں بہتر صورت یہ ہے کہ دو زانوں ہوکر بیٹھیں ورنہ جس طرح آسانی سے بیٹھ سکیں۔ کلمات تعوذ و تسمیہ وغیرہ پڑھ کر شروع کریں۔ اور پہلے حضرت شیخ مکرم کی طرف دل سے متوجہ ہوکر حضرت سے روحانی رابطہ قائم کریں۔

پھر خود بھی ذکر شروع کریں اور احباب کو بھی لطیفۂ اول شروع کرائیں۔ یاد رہے کلمات تعوذ و تسمیہ مقرر نہیں ہیں کوئی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ اور توجہ دینے والا ساتھی خواہ صاحب مجاز حضرات میں سے کوئی صاحب ہوں یا امیر ہوں یا ویسے ہی ذکر کراتے ہوں۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ لطائف خود بھی کریں یہ بات خصوصاً نوٹ فرمائی جائے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بڑے ساتھی لطائف نہیں کرتے اور صرف بیٹھے رہتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ حضرت اعلیٰ رح

کو ان حضرات نے ایسے ہی دیکھا ہے۔ مگر یاد رکھ لیں کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات و حالات ایسے تھے کہ اگر آپ ساتھ لطائف کرتے تو شاید کوئی بھی ساتھ بیٹھ نہ سکتا۔ دوسری گزارش ہے کہ آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم سیہ کاروں کے ساتھ تو آپ لطائف کیا کرتے تھے یہ اور بات ہے کہ ذرا چند سانس لیتے تو پھر رک جاتے مگر ان چند لمحوں میں جسم جلنے لگتے تھے اور اس سے پہلے کے حالات جو حضرت جیؒ سناتے تھے تو یہ بھی فرماتے تھے کہ سولہ برس میں نے تنہا لطائف کئے ہیں۔ تہجد سے فجر تک، فجر سے دوپہر تک، پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے عشاء تک۔ اب آپ خود خیال فرمالیں۔

جب آپ ذکر کر رہے ہوں تو لطیفۂ قلب کا آسمانِ اول پہ ربط قائم کر کے وہاں کے انوارات کو احباب کے قلوب پر القا کریں۔ اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفے میں دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں آسمان سے القا کریں۔ تفصیل دیکھنا چاہیں تو "تصوف اور تعمیرِ سیرت" میں دیکھ لیں۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر بیشک اپنے آخری مقام تک انوار اخذ کر کے القا فرمادیں۔

پھر پوری قوت سے قلب کرا کر مراقبہ شروع کرائیں۔ جس میں اول رابطہ ہے یعنی جسم کا خیال چھوڑ کر دل کی طرف متوجہ ہو اور دل سے لفظ اللہ نکلے تو ھُو کی ٹکر عرشِ عظیم کے ساتھ جا کر لگے۔ جب یہ قوی ہوگا تو احدیت نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ۔

اسی سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ پتہ کیسے چلے؟ تو عرض ہے کہ آپ جسے ذکر کرا رہے ہیں اس کے مشاہدہ کو پوچھ لیں۔ اول تو اسے مقام اور اپنی روح دونوں نظر آنے چاہئیں ورنہ دو میں سے ایک یعنی مقام یا روح۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم وہاں کے انوارات ان کا مخصوص رنگ اور کیفیات اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کام آپ کے بس کا نہیں۔ اسے بندہ کے پاس حاضری کا کہیں۔

دوم

دورانِ لطائف یا مراقبات شعر نہ پڑھیں۔ ہاں ایک صورت میں اجازت ہے کہ تمام بلند مقامات اور اعلیٰ مراقبات کے حامل ساتھی بیٹھے ہوں تو خیر ہے ورنہ نئے آدمی کی توجہ میں خلل واقع ہوگا۔ حضرتِ اعلیٰ رح اگر پڑھتے تو مزید توجہ راسخ ہوتی تھی۔ ہم پڑھیں گے تو یہ بات ممکن نہیں۔ اسی طرح مراقبات نہ تو بالکل مختصر کرائے جائیں نہ بہت ہی طویل۔ کہ مختصر وقت میں طالب جذب نہیں کر پاتا اور لمبی دیر تک متوجہ نہیں رہ سکتا۔ خیالات بھٹکنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت ضروری امر ہے اور اس کی طرف خصوصاً توجہ کی ضرورت ہے۔

سوم

صاحبِ کشف احباب کو ذکر میں بیٹھے ہوئے کسی ساتھی پر اگر کسی خاص گناہ کی ظلمت نظر آئے تو اسے

مطعون نہ کیا جائے اور نہ ذکر سے روکا جائے بلکہ کمال یہ ہے کہ اس کا تزکیہ کیا جائے اور اسے بھی توبہ نصیب ہو۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس نے خود وہ گناہ کیا ہو بلکہ بدکاروں کے ساتھ ملنے یاران میں بیٹھنے سے ان کی نحوست آدمی پر آجاتی ہے۔ جو کشفاً دیکھی بھی جا سکتی ہے۔ تو اگر ایسی صورت ہو تو پھر اس کے بارے یہ رائے کہ اس نے خود یہ جرم کیا ہے تہمت ہوگی اور یہ حرام ہے:

تہمۃ المسلم وسوء الظن بہ حرامٌ

(سیرت ابن ہشام)

نیز قاعدہ یہ ہے کہ گناہ سے نفرت کی جائے اور گناہگار سے ہمدردی تاکہ وہ گناہ سے آلودہ زندگی کو چھوڑ کر واپس آسکے۔ اور جب تک دوسرا آپ کو ہمدرد نہیں جانے گا وہ اپنی راہ سے ہٹ کر آپ کے ساتھ چلنا شروع نہیں کرے گا۔

چہارم

صبح اور شام دونوں اوقات کے معمولات کے بعد دعا میں شجرۂ مبارکہ ضرور پڑھیں اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ عظام کے توسل سے دعا مانگیں۔ اللہ آپ کو نیکی پہ زندہ رکھے، نیکی پہ اٹھائے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ حشر کرے۔ آمین!

الداعی الی الخیر

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

۲۳ رجب ۱۴۰۴ھ۔ کراچی

○ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:۔

"گانا زنا کا منتر ہے"

(مکتوبات شیخ عبدالحق محدث رح)

○ حضرت امام شافعی رح فرماتے ہیں:۔

گانا ایک مکروہ فعل ہے۔ جو باطل کے مشابہ ہے۔ جو شخص اس میں مشغول ہوا وہ بیوقوف ہے اور مردود الشہادت ہے۔

....

دیکھتا چلا گیا

(سیلانی کے قلم سے)

خرد نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ تو کیا حاصل دل و زبان مسلمان
نہیں تو کچھ بھی نہیں

سچے مسلمان

"جمہوریت" کی برکت سے انتخاب جیتنے والے ایک لیڈر جو ایک وقت قومی اسمبلی گورنمنٹ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر رہے ہیں۔ ایک اخباری بیان میں انکشاف فرماتے ہیں۔ " سابق صدر ایوب خان مرحوم ایک خدا ترس اور سچے مسلمان تھے"۔ اسی بیان میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ " ایوب خان مرحوم کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے شراب میں ایسا زہر ملا کر دیا جاتا رہا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے"۔

پہلے اور دوسرے جملے میں حقیقی تعلق " دیا جاتا رہا " سے صاف طور پر نمایاں ہے۔ ظاہر ہے یہ زہر ملاتے رہنے کا عمل تو دشمنوں کا ہے مگر جس چیز میں وہ لوگ زہر ملاتے رہے وہ تو سچے مسلمان کا اپنا اختیاری عمل ہوا۔ مرحوم کا معاملہ اپنے رب سے ہے۔ ہمیں تو ان کے لئے دعائے خیر کا تحفہ ہی زیبا ہے۔ بات اصول کی ہے کہ ان دو جملوں کے ملانے سے اصول یہ نکلا کہ سچا مسلمان وہ ہے جو باقاعدگی سے اور پابندی سے شراب پینے کا شغل اختیار کرے۔

یہ اصول اس بزرگ نے بتایا ہے جو مغربی طرز کی جمہوریت کے صدقے اس ملک کی اسمبلی کے رکن بنے جس ملک کے وجود میں آنے کے لئے دعوٰی یہ کیا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟

لا الٰہ الا اللہ۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

ص

تضاد ہی تضاد

ایک روزنامہ کے پہلے صفحہ پر جلی حروف میں صدر پاکستان کے ارشادات درج ہیں۔ مثلاً "اسلامی جمہوریت اور اسلامی نظام کا نفاذ اسی سال کر دیا جائے گا۔" اور "سربراہِ مملکت سمیت عوام کے منتخب نمائندے رسولِ اکرمؐ کے خادموں کی حیثیت سے فرائض انجام دیں گے۔" اسی اخبار کے پانچویں صفحے پر ایک اشتہار ہے۔

" ادارۂ ثقافتِ پاکستان کی پیشکش ، **محفلِ موسیقی** "

صدر صاحب کے ارادے دیکھئے اور عوام کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے !!!

کیا رسولِ اکرمؐ کے خادموں کے لئے کرنے کا کام یہی رہ گیا ہے ؟

کیا لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی مملکت اور اس میں رہنے والی رسولِ اکرمؐ کے خادموں کی قوم کی ثقافت ناچ گانا ہی رہ گیا ہے۔

ترجمانِ حقیقت نے جن حالات میں کہا تھا کہ ؎

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر !

وہ کچھ اور تھے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو یقیناً کہتے۔ ؎

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
طاؤس و رباب اول، طاؤس و رباب آخر

۳۔ ایک اعلیٰ سطح کی شاندار تقریب ہے۔ اس میں شامل ہونے والے فوج، سول، انتظامیہ اور عدلیہ کے اس درجے کے اعلیٰ افسر جمع ہیں جن سے اوپر افسری کا کوئی درجہ اس ملک میں نہیں پایا جاتا۔ ساتھ ہی وہ مخلوق بھی ہے جس کو ان حضرات کی زبان میں BETTER HALF کہا جاتا ہے۔ یہ ہمارے صدرِ محترم کے وہ دست و بازو ہیں جن کی مدد سے آپ اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ پوری قوم کا مغز بھی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر صدر صاحب کی ہمت کی داد دینی پڑتی ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ انہی کے حق میں یہ کہا گیا ہے ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز   یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

مگر یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اندریں حالات ہمارے محترم صدر اگر اسلام نافذ کرلیں تو یہ ان کی بڑی کرامت ہوگی۔ کہ چودہ صدیوں میں کسی ولی اللہ کے ہاتھوں اتنی بڑی کرامت کا صدور نہیں ہوا۔ اللہ کرے کہ صدرِ محترم اپنے مقدس عزم میں کامیاب ہو کر یہ برملا کہہ سکیں کہ ؎

ببیں کرامتِ بت خانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود، خانۂ خدا گردد

---

(۴)

ہر چھاؤنی میں نمایاں جگہ پہ جلی حروف میں لکھا ہے۔

ایمان • تقویٰ • جہاد فی سبیل اللہ

گویا اسلامی فوج کے عقیدہ کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

مگر اسی فوج میں وہ لوگ بھرتی ہو رہے ہیں بلکہ ترقی کر کے جرنیل تک کے اعلیٰ عہدے پر بھی پہنچ رہے ہیں جن کا مذہبی عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ "جہاد حرام ہے"۔

کوئی مفکر، کوئی فلاسفر، کوئی دانشور ان دونوں امور میں تطابق پیدا کر دے تو وہ **نوبل پرائز** کا مستحق ہوگا۔

---

(۵)

ایک سیاسی پارٹی کے عظیم لیڈر جو کسی وقت غالباً ایک صوبے کے سربراہ بھی رہے ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اسلام ضابطۂ حیات ہے، نظامِ حکومت نہیں"

واقعی بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ اکبر الہ آبادی بھی اس حقیقت کا اعتراف کر گئے ہیں۔

نہایت حکمت آگہیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے
مزا شربت کا دے جاتی ہے گو وہ ہیچ ہوتی ہے

گویا حیات اور حکومت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ ضابطۂ حیات تو زندہ رہنے کا سلیقہ ہے اور نظامِ حکومت مُردوں کے متعلق ہے۔ اسلامی ضابطۂ حیات کا بنیادی دستور قرآن حکیم ہے اس میں آیت استخلاف، آیت تمکین، آیات قتال، آیات عدل وغیرہ اور نبی کریمؐ کا میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ وغیرہ تاریخ کے اوراق سے کھرچ دینے کے قابل ہیں۔ یا ان کا تعلق موت سے ہے،

مردوں - مُردوں

حیات سے نہیں۔

اسلام پر ہر دَور میں بڑے بڑے ظلم ہوتے رہے ہیں مگر اس دَور میں اسلام پر جو ستم ڈھایا جارہا ہے، اس کی مثال تاریخ میں شاید ہی مل سکے۔

آسماں را حق بود گر خود ببارد بر زمیں۔

گناہ چار قسم کے ہوتے ہیں

۱۔ جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہو سکتے۔

جیسے کفر۔

۲۔ جو استغفار سے معاف ہو سکتے ہیں۔

جیسے صغائر۔

۳۔ توبہ یا توبہ کے بغیر اللہ کی مشیّت کے مطابق معاف ہو سکتے ہیں۔

جیسے حقوق اللہ میں سے کبائر۔

۴۔ جو صرف توبہ سے معاف نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں ان کا حساب صاف کرنا ضروری ہے۔ وہ ہیں "حقوق العباد"۔

یا تو یہاں معاف کرائے جائیں یا ان کا بدلہ دیا جائے۔

فیضِ شیخ

٭ مولانا بشیر احمد ایم۔ اے (عربی، اسلامیات) الیف الیف سنٹر ایبٹ آباد چھاؤنی ٭

میں بہاولپور میں بحیثیت خطیب تھا۔ ایم۔ اے اسلامیات کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس سے قبل مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھا والے سے میں نے بیعت کی تھی۔ اور ان کے سلسلہ میں اللہ اللہ کرتا تھا۔ لیکن ایک چیز نہیں مل رہی تھی جس کو آنکھوں کے آنسو کہتے ہیں حدیث میں پڑھا تھا کہ اللہ پاک نے تین آنکھوں پر دوزخ کی آگ حرام کی ہے۔ ان میں سے ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میری آنکھوں سے بھی آنسو نکلیں۔ لیکن بڑا ہی سخت دل تھا۔

ایک دن مولانا عبدالرشید صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے ایک میجر صاحب آئے ہوئے ہیں۔ بڑے نیک ہیں۔ اس دور میں بحیثیت میجر انہوں نے شریعت کے مطابق ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ میجر صاحب کا تعلق مولانا اللہ یار خان صاحب سے ہے۔ ان سے تعلق رکھنے والے جتنے آدمیوں کو میں نے دیکھا وہ سب دین کے ظاہری اور باطنی لحاظ سے بڑے پابند ہیں۔ میں نے شیخ کے بارے میں حضرت تھانوی رح کا یہ ارشاد پڑھا تھا کہ جس آدمی کے مریدین سمجھدار اور ظاہری لحاظ سے شریعت کے پابند اور سنت کی پابندی کرنے والے ہوں اسکی کرامت دیکھے بغیر ہی بیعت کر لیں۔ آپ کو یقیناً اس سے فائدہ ملے گا۔ مولانا کی باتوں سے میرے دل میں مولانا اللہ یار خان صاحب کی ان دیکھی سی محبت پیدا ہو گئی۔

مولانا عبدالرشید صاحب نے اپنا ایک واقعہ بتایا کہ میں جب پہلی دفعہ مولانا اللہ یار خان رح کے پاس گیا تو رات دن وہاں رہا۔ جب واپس ہوا تو میرے اوپر گریہ طاری ہو گئی۔ باوجود اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جی چاہتا تھا کہ خوب اللہ اللہ کروں اور روؤں۔ مولانا کی اس بات نے میری دکھتی رگ کو پکڑ لیا۔ اور میں نے تفصیلاً اللہ اللہ کرنے کی معلوم کیں تو پتہ چلا کہ

مولانا اللہ یار خان صاحب کے سلسلہ کے مطابق میجر نسیم صاحب ذکر کراتے ہیں۔ چنانچہ اسی روز سے میں سلسلہ میں شامل ہوا۔ یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے تین ماہ کے بعد ملتان میجر غلام محمد صاحب نے مراقبات ثلاثہ کرائے اور پھر ہم چکڑالہ پہنچے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور اللہ اللہ کرنے کا جذبہ اور ہی زیادہ ہوگیا۔ پھر ۱۹۷۷ء میں منارہ اجتماع پر ایک مہینہ گزرا روحانی بیعت ہوئی اور پھر جب مولانا نے مراقبہ موتوا

قبل ان تموتوا کروایا تو اس دن پتھر دل اس طرح ٹوٹا کہ اب آنسو روکتا ہوں تو رکتے نہیں اللہ پاک مولانا کی قبر پر لاکھوں لاکھوں رحمتوں کا نزول فرمائے جن کے فیض سے میرے جیسے سخت دل آدمی کے آنسو رواں ہوئے۔ میں نے حدیث میں پڑھا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:-

دمعة العاصی تطفئ غضب الرب

گناہگار کے آنسو رب کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں

اس سلسلہ میں منسلک ہونے کے بعد اللہ پاک نے تہجد اور دونوں وقت ذکر کرنے کی نعمت عنایت فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ یہ فکر ہوتی ہے کہ جس طرح جماعت کے ساتھ نماز درجۂ قبولیت کو پہنچتی ہے اسی طرح علیحدہ ذکر کرنے کے بجائے جماعت کی صورت میں حلقۂ ذکر زیادہ درجہ قبولیت کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہر جگہ اللہ پاک تھوڑی سی کوشش سے ذکر کا حلقہ عنایت فرما دیتے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے میرا تبادلہ ایبٹ آباد ہوا۔ دو دن علیحدہ ذکر کیا۔ پھر دعا کی تو اللہ نے چودہ پندرہ آدمیوں کا حلقہ عنایت فرما دیا۔

میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ جن لوگوں کے ساتھ رہوں ان کی نماز کم از کم ٹھیک ہو اور اس کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ اور پھر درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ذکر و فکر کے لئے بھی دعوت دیتا رہتا ہوں میری ناقص سی کوشش سے کافی آدمی حلقۂ ذکر میں شامل ہوئے اور پھر انہوں نے حضرت جیؒ سے بیعت کرلی۔

حضرت مولاناؒ کے سلسلہ کی نمایاں خصوصیت وہی ہے کہ آپ کے حلقہ میں سمجھدار افراد آتے ہیں اور پھر وہ سب شریعت کے پابند بن گئے ہیں۔ اور ان کے معمولات سنت رسولؐ کے مطابق ہوگئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں ظاہری شریعت کے مطابق جس کو اللہ پاک چلنے کی توفیق دے دے وہ اللہ کا بہت پیارا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کو دوسروں کی نسبت یہ امتیاز عنایت فرمادیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ مکرمؒ کی ذات بابرکات علوم ظاہریہ اور باطنہ کا سمندر تھی۔ آپ کو علم فقہ، منطق، تفسیر و حدیث کے علاوہ علم کلام پر پوری دسترس تھی۔

آپ کے پاس جو بھی آیا خالی نہ گیا۔ جتنا جس کا مقدر اور ظرف تھا اپنی استعداد کے مطابق دامن بھرتا گیا۔ علمِ تصوّف میں علمی اور عملی طور پر اس دور میں آپ کا ثانی تلاش کرنا بہت مشکل ہے

اللہ رب العزت حضرت مولاناؒ کے علم اور عمل کو ہمارا راہنما بنا دے تاکہ ہم بھی منزلِ مقصود جو رب کی رضا ہے تک رسائی حاصل کر لیں۔

آدابِ تبلیغ

- اپنا رویہ ایسا بناؤ کہ مخاطب تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھے۔
- خطاب اس طرح کرو کہ مخاطب کو اپنے مسائل کا حل یقینی نظر آئے۔
- اپنی شخصیت منوانے کا خیال نہ ہو بلکہ اللہ کے دین کا تصور دلایا جائے۔
- اپنے اوپر اللہ کے احسانات کا ذکر کیا جائے۔
- اپنی عظمت کا احساس نہ دلایا جائے۔
- اس امر کا اظہار کہ جو لوگ اللہ کی نعمت کا شکر نہیں کرتے وہ محروم رہتے ہیں۔
- سائل کی سوچ کو اپیل کیا جائے۔ اسکی فکر کو بیدار کیا جائے۔ اسکی ذہنی سطح کا خیال رکھا جائے۔
- پھر اصل بات پیش کر دی جائے اس طرح کہ مرض تشخیص اور علاج بیان کر دیا جائے۔

تعلیمی بحران اور طبقاتی منافرت کی ذمہ داری

محکمہ تعلیم اور انگلش میڈیم سکولوں پر ہے

لفظ - الفاظ -

اُمِّ طاہر

افراد کی طرح قومیں بھی بیمار ہوتی ہیں۔ معاشرہ میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ افراد اور اقوام کے امراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ فرد کی بیماری پھر دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ ایک ظاہری دوسری باطنی۔ یا ایک جسمانی دوسری اخلاقی اور روحانی۔ اسی طرح قوم کی بیماری بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک معاشی تنگدستی یا سیاسی غلامی اور دوسری اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ پن۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات ایک فرد جسمانی اعتبار سے خوب تنومند نظر آتا ہے مگر اخلاقی اعتبار سے وہ بالکل کھوکھلا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے انسان کے لفظ کا اطلاق صرف ظاہری اعتبار سے کیا جاتا ہے حقیقت میں وہ انسانیت کی چلتی پھرتی نعش ہوتی ہے۔

اسی طرح معاشرہ اور قوم میں بھی ایسی ہی دورنگی پائی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم معاشی اعتبار سے بڑی خوشحال ہو اور سیاسی لحاظ سے غیروں کی غلامی سے آزاد ہو مگر اخلاقی اعتبار سے ان پستیوں کو چھو رہی ہو جس سے آگے کسی پستی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس عمومی اور عالمگیر قانون کے پیش نظر جب ہم اپنی قوم کی حالت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں بھی دورنگی نمایاں طور پر نظر آتی ہے یعنی سیاسی اعتبار سے قوم آزاد ہے اور بڑے فخر سے آزادی کا جشن ہر سال اور بڑے اہتمام سے مناتی ہے۔ یہ امر گویا قوم کے ظاہری طور پر صحتمند ہونے کی دلیل ہے۔

مگر دوسرا پہلو اتنا بھیانک ہے کہ اس کا تجزیہ کرنا یا اس کی وضاحت کرنا بڑا اہم

کٹھن کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے آپ پر تنقید کرنا واقعی کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ مثلاً :-

(۱) قوم نے حصولِ آزادی کے لئے جس نعرے سے اسلحہ کا کام لیا تھا وہ تھا پاکستان کا مطلب کیا؟

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

مگر قوم نے چھتیس برس گزار دیئے مگر لاالٰہ سے آگے اس کا قدم نہیں اٹھا۔ بلکہ الا اللہ کا تصور بھی ذہنوں سے غائب ہو گیا۔ اور لاالٰہ ہی مقصود بن گیا۔ مگر یہ بدعہدی، یہ کہہ مکرنی کوئی ایسا اقدام نہ تھا کہ اپنا اثر نہ دکھائے ہوا یہ کہ پرانی نسل نے اس مقصد کے بھلانے اور ٹالنے میں اپنی ہمت صرف کردی اور نئی نسل بے مقصدیت، آوارگی، حیوانیت اور درندگی کا مظہر بن کے رہ گئی۔

آزادی کے وقت دین و مذہب، خدا اور رسول سے جو جذباتی یا شعوری لگاؤ تھا آہستہ آہستہ مفقود ہونے لگا۔ دین سے دوری اور خدا بیزاری قوم کا طرہ امتیاز بن گیا آزادی کے وقت جو باہمی اتحاد اور یگانگت کی فضا پیدا ہوئی تھی اس کی جگہ باہمی منافرت اور یہ منافرت زندگی کے ہر شعبے میں پھیل گئی۔ دینی حلقوں میں، سیاسی تحریکوں میں، معاشی اداروں میں غرض ہر جگہ اس کا عمل دخل شروع ہوا اور بڑھتا چلا گیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ احساسِ زیاں ہی جاتا رہا۔ مرض کا علاج صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب مریض کو یا تیمار داری کرنے والوں اور لواحقین کو مرض کا احساس ہو اور یہ احساس بھی اس شدت کا ہو کہ مرض کی تکلیف سے بھی زیادہ علاج کی فکر دامنگیر ہو جائے۔ اور علاج کی کامیابی کا امکان بھی صرف اسی صورت میں ہوتا ہے کہ معالج اور ڈاکٹر کو ایک تو مریض کے بیمار ہونے کا احساس ہو دوسرا اس کے دل میں مریض کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ موجود ہو۔

اپنا حال یہ ہے کہ چھتیس ۳۶ برس کے بعد مرض کا احساس ہونے لگا ہے۔ مگر وہ بھی مریض میں ہے یا اس کے لواحقین میں۔ گو ڈاکٹر کا خود اپنا حال یہ ہے کہ ؏

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔

مگر اسے احساسِ مرض ابھی تک نہیں ہوا۔

سوال یہ ہے کہ اسکی ذمہ داری کس پر ہے؟ جواب یہ ہے کہ مریض اور ڈاکٹر دونوں پر ہے۔

قوموں کے بناؤ اور بگاڑ میں بنیادی طور پر ذمہ داری اس کے نظامِ تعلیم پر ہوتی ہے۔ ہماری پرانی نسل پرانے نظامِ تعلیم یعنی لارڈ میکالے کے نظام کے تحت پروان چڑھی ہے۔ مگر آزادی کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ نئی نسل کیلئے فوری طور پر ایسا نظامِ تعلیم تیار ہوتا جو قوم کے مقصد کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا۔ ایسا نصابِ تعلیم ہوتا جو

بچے مسلمان شہری تیار کرتا۔ ایسے اساتذہ ہوتے جو صحیح اسلامی ذہن، اسلامی سوچ، اسلامی کردار اپنا کر یہ ورثہ نئی نسل کو منتقل کرتے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کیا گیا۔

نصابِ تعلیم کو لیجئے۔ کہنے کو قوم میں بڑے بڑے ماہرینِ تعلیم موجود ہیں جو قوم کی نفسیات، قوم کے مقاصد اور تعلیم کے فلسفہ پر بیان دینے میں بے مثل و بے نظیر ہیں مگر چھتیس برسوں میں انہیں اتنی توفیق نہیں ملی کہ قوم کے لیئے اس کی قومی خصوصیات اور قومی مقاصد سے ہم آہنگ کوئی نصابِ تعلیم ہی تیار کر کے پیش کر دیتے۔

ان کا سب سے بڑا تخلیقی کارنامہ یہ ہے کہ میکالے کے نصاب کے ساتھ دینیات یا اسلامیات کی ایک "پخ" لگا دی جس کی حقیقت اکبر الہ آبادی نے اپنی خداداد بصیرت سے کام لے کر بتا دی تھی کہ

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے!
مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

یعنی طالب علم دن بھر میں آٹھ پیریڈ تو لارڈ میکالے کی شاگردی کرے اور ایک پیریڈ میں اللہ اور رسولؐ کا نام لے لے۔ بس قومی مقصد پورا ہو گیا۔ درخت اپنی جڑوں سمیت نیم ہی کا رہے البتہ اس کی کسی شاخ پر آم کا ایک پتہ چپکا دیا جاسکے۔

ان بزرجمہروں نے دوسری خدمت یہ کی کہ معیارِ تعلیم کو بلند کرنے کا دعوٰی کیا۔ اور میٹرک کے نصاب میں ریاضی اور سائنس کے وہ حصے شامل کر دئے جو انٹرمیڈیٹ کی سطح کے تھے۔ یعنی پہلے زینے سے اچھل کر تیسرے زینے پر قدم رکھو۔ بچے کی نفسیات اور فطری تدریج کا اصول یکسر فراموش کر دیا۔ اور اس نصاب کی تعلیم کے لیئے استاد وہی پرانے لا۔ اے، بی۔ٹی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سال کامیاب ہونے والے طالب علموں کی تعداد میں حیرت ناک حد تک کمی ہونے لگی۔

تیسری خدمت یہ کی کہ انگریزی زبان کو قوم کے لیئے پیرِ تسمہ پا بنا کر قوم کے گردن پر سوار ہی رکھا بلکہ بات یہاں تک پہنچی کہ بقول ہمارے صدرِ محترم اب عظمت اور برتری کی دلیل صرف یہ رہ گئی ہے کہ آدمی انگریزی خوب بول سکے اور بس۔

ان ماہرین کرام سے ہٹ کر ہمارے محکمہ تعلیم نے جو نظامِ تعلیم کا واحد ذمہ دار ادارہ ہے یہاں تک بے رخی روا رکھی کہ تعلیم جیسی کیسی بھی تھی اس کے معیار کو برقرار رکھنے کے فریضہ کو اپنے فرائض میں سے یکسر خارج کر دیا۔ کسی استاد کا کسی مدرسے کا کسی کالج کا نتیجہ صفر فیصد نکلتا ہے یا سو فیصد محکمہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ نہ کام چوروں کی نگرانی ہوتی ہے نہ انہیں سزا ملتی ہے نہ ترقی بند ہوتی ہے بلکہ کوئی

نکر نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ اتنا کر دیا جاتا ہے کہ یہاں سے تبدیل کر کے وہاں بھیج دو۔ یعنی تم نے ایک ادارے کو بگاڑا ہے اب دوسرے کو برباد کرو۔

تعلیم کا مقصد صرف کتابیں رٹا دینا نہیں بلکہ اس کے ساتھ تربیت کا عنصر بھی لازمی ہے اور تربیت کے لئے ضروری ہے کہ تربیت دینے والے میں وہ اوصاف اور وہ اخلاقِ عالیہ موجود ہوں جو وہ اپنے زیر تربیت افراد میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اساتذہ کے انتخاب میں محکمہ تعلیم نے یہ پہلو قابلِ غور ہی نہیں سمجھا۔ حالانکہ اصل قابلِ لحاظ چیز یہی پہلو ہے۔

خوب کہا ایک عارف نے۔ ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

انسان سازی کی جگہ تعلیم کا مقصد صرف ڈگری لینا ہی رہ گیا ہے۔ اس بلندی تک پہنچنے کے لئے بھی محکمہ تعلیم کی بندہ نوازی کا یہ عالم ہے کہ کمرۂ امتحان اور کمرۂ جماعت میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔ نقل کا کاروبار تھوک پیمانے پر ہوتا ہے۔ اور ان ساری کاغذی کارروائیوں کے باوجود ہوتا ہے جو نقل کے کاروبار کو روکنے کے لئے ضابطہ کی کارروائی کے طور پر کی جاتی ہیں۔

نقل میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ پرچے جانچنے والے ممتحنوں کی فیاضی سے پوری کی جاتی ہے۔ پھر بھی کمی رہ جائے تو جعلی اسناد کا کاروبار دستگیری کے لئے موجود ہوتا ہے۔

مانا کہ قوم کو تو احساس ہو گیا کہ تعلیم کا معیار گر رہا ہے بلکہ تعلیم اور جہالت میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ مگر جب تک ہمارے ڈاکٹروں کو احساس نہ ہو کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ یہاں تو ایسا سماں دکھائی دیتا ہے جیسے کوئی کہہ رہا ہو ؎

حضرتِ ناصح گر آویں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی ہم کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے کیا؟

انگلش میڈیم سکول بھی دراصل بنیادی طور پر محکمہ تعلیم ہی کی غلط بخشی کا ایک پہلو ہے۔ اور ان سکولوں کی یہ فراوانی اور اس سرعت سے اضافہ دراصل ایک بیماری کے عوارض ہیں۔

انگلش میڈیم سکول دراصل ذہنی غلامی احساسِ کمتری، اپنے آپ سے اور اپنی روایات سے نفرت کے مظاہر ہیں۔ انگریز جو معنوی ترکہ چھوڑ کے گیا ہے وہ لوگ ہیں جن کے جسم آزاد ہو گئے، ذہن غلام ہیں۔ ضمیر غلام ہیں، سوچ غلام ہے۔ وہ اس غلامی کے جال سے نکل نہیں سکتے بلکہ اس جال کو پھیلانے اور وسیع کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔ یہ لوگ انگریز سے بھی زیادہ انگریز ہیں مثلاً:۔

انگریز نے اپنے مطلب کی تعلیم دینے پر اکتفا کیا۔ مگر انگلش میڈیم سکولوں میں انگریزی تعلیم کے علاوہ انگریزی تہذیب کے اپنانے پر زور دیا جاتا ہے۔

انگریز نے پانچویں جماعت سے انگریزی زبان سکھانے کی ابتدا کی تھی۔ ان دیسی انگریزوں نے پہلی بلکہ نرسری سے انگریزی زبان کی تعلیم شروع کی۔ اور محکمہ تعلیم نے ان کی بقا کیلئے ایک دانشورانہ اور فنکارانہ فیصلہ دیا کہ "کچھ" سکول انگلش میڈیم اختیار کر سکتے ہیں تاکہ اس "کچھ" کے پردے میں "سب کچھ" کیا جا سکے۔

انگلش میڈیم سکول کیا ہیں۔ محض تضیع اوقات، قومی تشخص سے نفرت اور بغاوت، احساس کمتری کو پختہ کرنے کی منظم سازش۔ جہاں تک تضیع اوقات کا تعلق ہے پرائمری جماعتوں میں پہاڑے انگریزی میں یاد کرائے جاتے ہیں۔ ریاضی کا مضمون انگریزی میں پڑھایا جاتا ہے۔ آخر اس میں کوئی تک ہے؟ نتیجہ ظاہر ہے کہ انگلش میڈیم سکول سے فارغ طالب علم سوائے انگریزی بولنے یا انگریز بننے کے اور کسی خوبی کا حامل نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔

احساس کمتری پر نگاہ ڈالئے تو ان سکولوں کی یونیفارم نمایاں ثبوت موجود ہے۔ نرسری سے بچوں کو ٹائی اور پینٹ لازماً پہنانا، یہ سکھانا کہ عظمت اس لباس میں ہے۔ تمہارے گھروں میں جو لباس پہنا جاتا ہے وہ گھٹیا اور گنواروں کا لباس ہے۔

جہاں تک قومی غیرت، اسلامی حمیت، اور اسلامی شعائر سے بغاوت اور نفرت کا تعلق ہے وہ ان سکولوں میں دی جانے والی تربیت سے ظاہر ہے۔ مثلاً میڈم سکھاتی ہے۔ ALWAYS SAY Good MORNING. اور السّلام علیکم Dont SAY۔ بچہ اپنی دینیات کی کتاب میں پڑھتا ہے۔ اسلام نے اس غرض کے لئے السّلام علیکم کہنا اور وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ سے جواب دینا تجویز کیا ہے۔ تعلیم اور تربیت میں یہ تضاد بچے کے ذہن میں یہ سوال بن کر ابھرتا ہے کہ السّلام علیکم کہنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور میڈم کا فرمان یہ ہے کہ السّلام علیکم مت کہو۔ ان دونوں میں سے ایک ہی درست ہو سکتا ہے۔ اب یہاں دیدہ اور شنیدہ کا اصول در آتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بچے نے صرف سنا ہے اور میڈم اس کے سامنے ایک مثالی اور زندہ شخصیت ہے۔ اور اصول مسلمہ یہ ہے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

لہٰذا بچے کو السلام علیکم کہنے سے نفرت ہو جاتی ہے اور گُڈ مارننگ کہنے میں فخر محسوس کرنے لگتا ہے ظاہر ہے کہ السّلام علیکم کہنے کا حکم دینے والے اور اس کو سنت قرار دینے والے سے محبت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہی مقصد ہے انگلش میڈیم سکولوں کا کہ مشرقی روایات، قومی تشخص اور اسلامی شعائر سے نفرت پیدا ہو تاکہ یہ دیسی انگریز نہ تو قوم کے کسی کام آسکیں نہ اسلام سے کوئی واسطہ رہے یوں تو انگلش میڈیم سکولوں میں بھی دینیات کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں مگر اس کتابی تعلیم اور عملی تربیت میں جو تضاد ان کے سامنے آتا ہے اس کی وجہ سے دینیات کے متعلق ان کے دل اور دماغ میں حقارت کے جذبات ہی ابھر سکتے ہیں۔ محکمہ تعلیم نے ماضی قریب میں ایک عظیم کارنامہ جو انجام دیا ہے وہ ہے سکول اور کالج کی سطح پر دو الگ الگ گروہوں کے لئے الگ الگ دینیات کا نصاب رائج کر دیا۔

کوئی پوچھے دینیات کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے بغیر کیا جواب ہو سکتا ہے کہ دینیات سے مراد دین کے متعلق باتیں۔

اب سوال یہ ہے کہ دین ایک ہے یا دو ہیں؟ جواب یہ ہے کہ دین تو ایک ہے جس کا نام اسلام ہے۔ گو مذاہب اور بھی ہیں۔ مگر دین صرف اسلام ہے۔ پھر دو دینیات رائج کرنا کس منطق کے تحت درست ہوًا۔ انگلش میڈیم سکولوں نے طبقاتی منافرت پھیلانے کی جو خاموش شرارت کی تھی۔ محکمہ تعلیم کے اس اقدام نے اسے مستند بلکہ ضروری قرار دے کر کمی پوری کر دی۔

سوچئے کہ ایک دینیات کے تحت طالبعلم یہ سیکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تئیس ۲۳ سالہ تربیت سے جو معاشرہ تیار کیا تھا اس کا ہر فرد معیاری اور اللہؐ و رسولؐ کا پسندیدہ تھا اور انسانی تاریخ میں ایسے افراد کی مثال نہیں ملتی جیسا کہ HITH جیسے متعصب انگریز نے اعتراف کیا ہے کہ۔

After the death of the prophet Seterile Aralia seems to have been converted as if my majic into the nersery of heroes the like of whom both in mumber & quality is hard to find any where.

(History of the Aralia)

دوسری دینیات کے تحت دوسرے طالبعلم کو بتایا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی تین آدمیوں کے علاوہ باقی سب کے سب مرتد ہو گئے اور اسلام کے دشمن بن گئے۔

بتائیے اب یہاں گروہی منافرت کے سلسلے میں کسی کمی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔
یہ تو محکمہ تعلیم کا ایک مستقل کارنامہ ہے۔ جسکی مثال شاید ہی کہیں ملے۔

ع

ہائے ان مالیوں نے باغ اُجاڑا اپنا۔

راہِ نجات یہ ہے کہ

- جس بات کی خوبی ظاہر ہے اس پر عمل کرو۔
- جس بات کی بُرائی ظاہر ہے اس سے پرہیز کرو۔

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے

اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو فتنہ انگیز مسائل ایجاد کرکے بندگانِ خدا کو فتنوں میں ڈالتے ہیں۔

ہر بدعت،

سُنّت کو دُور کرنے والی ہے۔ خواہ وہ حسنہ ہو
یا سیئہ۔

(مکتوبات امام ربانیؒ ۱: ۱۸۶)

ضروری اطلاع (اجتماعی پروگرام)

احباب کی اطلاع کیلئے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت کی جاتی ہے۔
دارالعرفان میں اعتکاف کیلئے آنے والے احباب ۲۰ رمضان المبارک کو ظہر تک پہنچ جائیں۔ اعتکاف غالباً ۲۱ جون سے ۳۰ جون تک ہوگا۔
اس سلسلہ میں ضلعی امرا احباب کی توجہ ناظم اعلیٰ کی چٹھی مورخہ ۸۲ - ۱۰ - ۷ کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ جس میں شرائط درج ہیں۔

۲۔ سالانہ اجتماع ۹ جولائی سے ۱۷ اگست تک ہوگا۔ جس کا آخری سہ روزہ مرشد آباد حضرت المکرمؒ کے مزار شریف پر ہوگا۔ ۱۵ اگست صبح تمام احباب دارالعرفان منارہ سے خصوصی بسوں میں مزار شریف کیلئے صبح کے کھانے کے بعد روانہ ہونگے۔ اور جمعہ ۱۷ اگست صبح دعا کے بعد وہیں سے سالانہ اجتماع اختتام پذیر ہوگا۔

۳۔ دارالعرفان میں اجتماع کے دوران خواتین کیلئے علیحدہ انتظام ہوگیا ہے۔ جہاں ان کی رہائش کیلئے الگ جگہ موجود ہے۔ ان کی مدد کیلئے ایک ملازمہ موجود ہوگی۔ جو اجتماعی لنگر سے ان کے خورد و نوش کا انتظام کرے گی۔
جو احباب اس بات کے خواہشمند ہوں کہ ان کی خواتین دعوت و تبلیغ ذکر و فکر اور اصلاح و تربیت کیلئے اجتماع میں شمولیت کرسکیں وہ خواتین کو ساتھ لاسکتے ہیں۔

۴۔ لنگر مخدوم کا اجتماع جمعرات ۱۱ اکتوبر سے ۱۳ اکتوبر تک ہوگا۔ بسوں پر سفر کرنے والے احباب سرگودھا سے براہ راست ڈیرہ اعوان (ملک غلام محمد صاحب کے ہاں) تشریف لادیں۔ جہاں سے آگے مزار مبارک تک پہنچنے کیلئے بس موجود ہوگی۔

ناظم اعلیٰ

۹۹

ماہنامہ

المرشد

ماہانہ

زیر سرپرستی

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال باطنی اصلاح

سالانہ چندہ

پینتیس ۳۵ روپے

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہ رض	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لیے آئے تھے؟	۵/۰۰
تعرف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاشِ آدم	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع جہلم ● سول ایجنٹ مدنی کتبخانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: سید مشاہد حسین رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255